عبداللہ بن سبا



ابن سبا
عبداللہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قصد تھا کہ عبد اللہ بن سبا کے عنوان سے ایک مبسوط کتاب پیش کروں، اس کے لئے میں نے بڑی محنت اور بہت کچھ تیاری بھی کر لی تھی مگر افسوس کہ افکار و آلام نے مہلت نہ دی فی الحال یہ مختصر سی کتاب پیش کیجا رہی ہے جو باوجود اختصار کے بیحد افادیت کی حامل ہے اس میں بعض صفحات میرے ہیں جو میں نے متفرق کتابوں سے لئے اور بعض میرے رفیق مولوی سید محمد باقر صاحب رئیس جوا ضلع بارہ بنکی کے ہیں جو موصوف نے "مکتب تشیع" تہران سے ترجمہ کر کے اصلاح میں شائع کرائے تھے موقع ملا تو انشاء اللہ جلد ہی اس موضوع پر ایک مبسوط کتاب نذر ناظرین کروں گا۔

واللہ المستعان۔

حقیر

محمد باقر النقوی

مدیر اصلاح کھجوا (بہار)

باسمہ سبحانہ

شیعوں کے دشمنوں نے جو تہمتیں مذہب شیعہ پر لگائی ہیں وہ ایک دو نہیں یہ تہمتیں صرف اہلسنت کے متعصب طبقے ہی کی جانب سے نہیں، یہ صحیح ہے کہ اسطرح کے اتہامات کی ابتداء اہلسنت ہی کی طرف سے ہوئی لیکن آخری دو ایک صدیوں میں مطلب پرست یہودی زرتشتی اور دیگر مفسد و فتنہ انگیز افراد نے بنیادی و سیاسی اغراض کے تحت فرقہ شیعہ اور عقائد مذہب شیعہ پر طرح طرح کی بہتان تراشیاں کی ہیں۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بعض شیعہ مصنفین نے بھی بغیر تحقیق و تدبر کے ان کی عبارتیں اپنی کتابوں میں نقل کر دی ہیں۔

پہلی شرمناک تہمت جس کو دوسرے بیسیوں الزامات کی بنیاد قرار دیا گیا ہے یہ ہے کہ مذہب شیعہ ایک یہودی ابن سبا کے خیالات کی پیداوار ہے۔

تقریباً ایک ہزار برس سے مورخین اور مصنفین ابن سبا اور سبائیہ فرقے کے بارے میں بحث کرتے اور چند عقائد و خیالات کی اس کی طرف نسبت دیتے آرہے ہیں، اور بقول ڈاکٹر علی الوردی سارے اہل عالم کے گناہ بھی اسی کی گردن پر رکھتے ہیں بغیر اسکے کہ اس اصل وجود کی تحقیق و تلاش کریں۔

اگر گلے مصنفین کی تحریروں میں ابن سبا کی داستان بہت کم اور مجمل طور پر نظر آتی ہے تو آخری دو ایک صدیوں میں اس کے مکمل

پروپاگنڈے نے وہ کمی پوری کردی اور تاریخ اسلام اور تاریخ صحابہ کے سلسلے میں بہت کم ایسی کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں اس قضیے کے بارے میں قلم فرسائی نہ کی گئی ہو۔

لہٰذا قابل غور ہے کہ:۔

ابن سبا کون تھا اور سبائین کون لوگ تھے؟ ابن سبا کن باتوں کا مدعی تھا؟ اور ابن سبا کے اہم ترین افعال کیا ہیں۔

عبداللہ ابن سبا کون تھا؟

کہا جاتا ہے کہ ایک یہودی شخص جس کا دل مسلمانوں کے فتوحات کی وجہ سے بھن رہا تھا بظاہر اسلام لایا اور دل میں یہ ارادہ رکھتا تھا کہ اسلام کے خلاف جدوجہد کرے گا۔ یہ شخص عبداللہ بن وہب ابن سبا معروف بہ ابن السوداء تھا جو بنا، اختلاف اقوال ناقلین یمین کے یہودیوں یا صنعا یا حیرہ یا حمیر کے باشندوں میں سے تھا۔

(کتاب مقالات الاسلامیین واختلاف المصلین مؤلفہ شیخ ابوالحسن علی ابن اسماعیل اشعری متوفی ۳۳۰ھ طبع اول مصر مقدمہ جلد اول مختصراً، محمد محی الدین عبدالحمید ص ۱۱ ۔ والی مشیخۃ الازہر مولفہ عبداللہ الہمیتی مطبوعہ عراق و نقش و عاظ در اسلام ترجمہ فارسی وعاظ السلاطین مولفہ ڈاکٹر علی الوردی)

ابن سبا کے نسبت اور ابتدائی حالات کے بارے میں ہم اسی قدر معلوم کرسکے کیونکہ تاریخ کے اندر اس سلسلے میں مزید وضاحت نہیں کی گئی ہے اور گویا پہلا

وہ شخص جس نے عبداللہ بن سبا کو یہودی سمجھا ہے شہرستانی ہے جس نے ملل ونحل میں اسکی طرف اشارہ کیا ہے اور باقی مورخین اُس کے معاملہ میں یا تو بالکل خاموش ہیں یا اس کو عرب جانتے ہیں۔ (کتاب تحقیق امام مطبوعہ طہران ص۳۲۹)

ابن سبا کے عقائد

کہا جاتا ہے کہ

"اصول تشیع کا موجد اور بانی عبداللہ ابن سبا تھا"

(کتاب پرتو اسلام" مؤلفہ احمد امین مصری طبع دوم ترجمہ فارسی جلد اول ص۲۲۴

و السنۃ و الشیعہ ص۴۔ مولفہ سید محمد رشید رضا صاحب تفسیر المنار)

"تاریخ اسلامی کے اندر اپنی پیدائش کے نقطۂ نظر سے فرقہ سبائیہ شیعوں کا پرانا اور اصولی فرقہ ہے" (کتاب المهدویۃ فی الاسلام)

"عبداللہ ابن سبا نے مسلمانوں کے اندر تین عقائد پھیلائے اس کے قبل کوئی شخص ان عقائد کا معتقد نہ تھا۔

۱۔ وہ پہلا شخص ہے جس نے کہا کہ رسول اللہ نے حضرت علیؑ کو اپنا وصی اور امام قرار دیا ہے۔

۲۔ وہ پہلا شخص ہے جو علی و محمد کی رجعت کا قائل ہوا۔

۳۔ اس نے کہا کہ علی مارے نہیں گئے وہ ہمیشہ کے لیے زندہ ہیں بادلوں میں ان کی سکونت ہے۔ رعد اُن کی آواز اور برق اُن کا تازیانہ ہے خدا کا ایک جزو اُن کے اندر ہے وہ ایک زمانہ میں واپس آئنگے اور زمین کو

کو عدل و ولا سے بھر دیں گے"
کتاب مقالات الاسلامیین ص١١، المہدیۃ فی الاسلام ص٨٤، دائرۃ المعارف
ص١٣٣ وغیرہ۔

ابن سبا جہاں پہونچتا تھا اپنی خبیث تعلیمات کی اشاعت کرتا تھا اور کہتا تھا "میں اُس شخص سے تعجب کرتا ہوں جو رجعت مسیح کا عقیدہ رکھتا ہو اور رجعت محمدؐ کو قبول نہ کرے، خدا کے ہزار پیغمبر تھے اور ہر پیغمبر کا ایک وصی تھا چنانچہ علی بھی محمد کے وصی ہیں۔ (کتاب محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ محمد خضری، تاریخ اسلام سیاسی ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن)

"عبداللہ بن سبا نے حضرت علی سے کہا کہ تم خدا ہو اور حضرت نے اسکو مدائن کی طرف جلا وطن کر دیا۔

عبداللہ بن سبا یا ابن اسود یہودی الاصل اور یمن کے باشندوں میں سے تھا جو جلد ہی دین اسلام سے مشرف ہوا تھا اور چونکہ معمول سے زیادہ جوش ایمانی رکھتا تھا لہذا مسلمان ہونے کے بعد پورے ایشیائے کوچک اور افریقہ کے اکثر حصے کو لپیٹ میں لے لیا اور پہاڑوں میں تبلیغ و تحریک شروع کر دی، اسکی قوت عمل نے تھوڑے دنوں بعد ایک شدید سیاسی رُخ پیدا کر دیا اور جس وقت اُس نے مصر میں سکونت اختیار کی، اسی وقت سے خلیفہ کے عمال کو فحش اور سخت سست باتیں کہنا شروع کیں اپنی تقریروں میں عثمان کو متنبہ کیا کہ خلافت سے استعفا دیدیں اور مسند خلافت کو مخصوص طور پر اس ذات کے لئے خالی کر دیں جو اس منصب کے تحفظ کی لیاقت رکھتی

ہوئے یعنی علیؑ ابن ابی طالبؑ)

عبداللہ ابن سبا کی فصاحت نے اپنا کام کیا بہت جلد قوم اُس کے گرد جمع ہوگئی اور اُس کے عقیدے کا احترام کرنے لگی لیکن چونکہ اس مقبولیت سے ابن سبا کی جسارت بڑھ گئی تھی لہٰذا اُس نے اپنا چہرہ بے نقاب کردیا اور اپنے مواعظ اور اقوال میں، اصول و قواعد اسلامی کے ساتھ یہودیوں کے خیالات اور اصول عقائد مخلوط کردیے، اور اسی طرح اصول تناسخ کو رواج دیا اسکے بعد عیسائیت کو درمیان میں لایا اور "فسطاط کی بڑی مسجد میں آواز بلند کی کہ مسیحیوں، کا یہ دعوی ہے کہ سارے مخلوقات میں وسیع پیمانے پر اپنے اثرات پھیلانے کے لیے حضرت عیسیٰ دوبارہ واپس آجائیں گے لیکن میں واضح کرتا ہوں کہ مسیح نہیں بلکہ محمدؐ واپس آئینگے۔

اور بالآخر ہر قسم کے حدود سے تجاوز کرگیا اور اعلان کرنے لگا کہ محمدؐ کی ذات تقریباً خدائی کے جوہر سے ہے۔

یہود، اسلام مسیحی، ایرانی اور ہندی یہاں تک کہ فرعونی مذاہب کے مسائل میں اس شخص کے وسیع معلومات اس کا باعث ہوئے کہ یہ اپنے حریفوں کو جلد میدان مقابلہ سے باہر نکال دے۔

تھوڑی ہی مدت میں ابن سبا مصر کے لوگوں میں سب سے زیادہ بااثر بن گیا وہاں کا حاکم اس کے سامنے لرزتا تھا اور جب بھی کوئی عثمان کا فرستادہ مصر میں پہونچا تو بہت جلد اسکے زیر اثر ہوگیا۔

مذہب سبائیہ سے متعدد فرقے پیدا ہوئے اُن میں سے ایک کے عقیدے

کے مطابق حضرت علیؑ بادلوں پر سوار ہوئے اور پھر زمین پر واپس آئینگے
ایک جماعت کا اعتقاد یہ ہے کہ حضرت علی شریروں اور بدکاروں کے سروں پر صاعقہ اور رعد و برق نازل کرینگے۔ بعض یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ علیؑ آفتاب ہیں۔ اور کچھ لوگ چاند کے نقش کو آپ کی صورت میں مجسم سمجھتے ہیں۔"

کتاب شہوار اسلام شائع کردہ انجمن تحقیقات تاریخی عربی قاہرہ ترجمہ کاظم عادی مطبوعہ تہران ص۷۶ و ۷۷ و ۷۸ و ۹۱)

ابن سبا کیوں ایمان لایا

کہا جاتا ہے کہ۔
اس فرقہ کے رہبر عبد اللہ بن سبا یہودی نے مسلمانوں کو فریب دینے کے لئے اسلام قبول کیا تھا اور لوگوں کے درمیان تفرقہ ڈالنے کے لئے حضرت علیؑ کے بارے میں غلو کیا۔

(مقدمہ طبع جدید صواعق محرقہ ص۶ محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد ۲ ص۹۶)

ابن سبا دین یہود کا دستدار تھا اور چاہتا تھا کہ حضرت علیؑ اور انکے فرزندوں کے بارے میں اپنے بے ہودہ خیالات سے اسلام کو تباہ کر دے۔ تاکہ عیسائیوں نے جو باتیں حضرت عیسیٰ کے متعلق جائز قرار دی ہیں وہی باتیں مسلمان حضرت علیؑ کے بارے میں بھی درست سمجھیں، اور چونکہ بعض لوگ دوسروں سے زیادہ کفر میں ڈوبے ہوئے تھے یا ہوا و ہوس کا شکار تھے لہٰذا اپنے کو انہیں سے وابستہ کر لیا اور اپنی گمراہی

کو ان کی تمام دلیلوں میں شامل کر دیا۔

(کتاب الفرق بین الفرق ترجمہ فارسی مطبوعہ تبریز باب ۲ صفحہ ۲۲۴)

ابن سبا کے اہم ترین کارنامے

مورخین کا بیان مختصراً ابن سبا کے متعلق یہ ہے کہ

ابن سبا صنعاء یمن کا ایک یہودی تھا جو زمانہ خلافت عثمان میں اسلام لایا اور مسلمانوں میں گھس مل گیا۔ ممالک اسلامی اور بلاد اسلامی جیسے کوفہ و بصرہ و شام مصر میں جاکر اس نے پروپاگنڈہ کیا کہ جس طرح حضرت عیسیٰؑ دوبارہ دنیا میں آئیں گے اسی طرح ہمارے پیغمبرؐ بھی دوبارہ تشریف فرما ہوں گے۔ علیؑ ابن ابی طالبؑ حضرت محمد مصطفےٰؐ کے وصی ہیں جس طرح ہر نبی کے لئے ایک وصی ہوا کیا۔ علیؑ خاتم الاوصیاء ہیں جس طرح حضرت محمد مصطفےٰؐ خاتم الانبیاء ہیں، عثمان غاصب ہیں انھوں نے وصی پیغمبرؐ کا حق غصب کیا لہذا وہ ظالم ہیں اور ان سے جنگ کرنا واجب ہے تاکہ حق حقدار کو واپس مل جائے۔

(۲) ابن سبا نے بلاد اسلامی میں اپنی طرف سے پروپاگنڈہ کرنے والے بھیجے اور انہیں سمجھایا کہ وہ ظاہراً امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا مشغلہ بنائیں اور مخفی طور پر حکام کے خلاف عوام کو برانگیختہ کریں۔

تھوڑے دنوں میں مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد اس کی پیرو ہوگئی۔ انھیں مسلمانوں میں صحابہ کبار بھی تھے اور جلیل القدر تابعین بھی جیسے ابوذر، عمار یاسر، محمد بن ابی حذیفہ، عبدالرحمان بن عدیس بلوی، محمد بن ابی بکر، صعصعہ

بن صوحان عبدی مالک اشتر اور انھیں جیسے دیگر صالح و دیندار مومنین"۔

"سبائین جہاں بھی ہوتے لوگوں کو وہاں کے حکام کے خلاف برانگیختہ کرتے کیونکہ ان کے سردار عبداللہ بن سبا کا اصل مشن ہی یہ تھا اور حکام کے عیوب خطوں میں لکھ کر دوسرے شہروں میں روانہ کرتے ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ سبائین کے بھڑکانے سے مسلمانوں کی بہت سی جماعتیں اٹھ کھڑی ہوئیں مدینہ چڑھ دوڑیں حضرت عثمان کا محاصرہ کرکے ان کو قتل کرڈالا۔ یہ تمام باتیں سبائیں کی رہبری میں انجام پذیر ہوئیں اور یہ لوگ ہر ہنگامے میں برابر کے شریک تھے۔

"جب مسلمانوں نے حضرت علیؓ سے بیعت کرلی اور طلحہ و زبیر جنگ جمل کے لئے بصرہ چلے گئے تو سبائیوں نے دیکھا کہ دونوں لشکروں کے سردار باہمی سمجھوتہ کی کوشش کررہے ہیں اگر یہ سمجھوتہ ہوگیا تو لامحالہ سبائین ہی حضرت عثمان کے قتل میں ماخوذ ہوں گے۔ انھوں نے رات کو اکٹھا ہوکر طے کیا کہ دونوں لشکروں میں سازش کا جال پھیلایا جائے اور صبح سویرے جنگ چھیڑ دی جائے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائے۔ سبائیوں کو منھ اندھیرے ہی جبکہ دونوں لشکر نیند کی آغوش میں تھے اس تدبیر کے عمل میں لانے کا موقع مل گیا۔ حضرت علیؑ کے لشکر میں جو سبائین تھے انہیں سے کچھ علیحدہ ہوکر پوشیدہ طریقہ سے بصرہ کی فوج میں جا ملے اور وقت مقررہ پر ادھر کے سبائیوں نے ادھر کے سبائیوں پر حملہ کردیا اور ادھر کے سبائیوں نے ادھر کے سبائیوں پر۔ دونوں لشکروں میں سراسیمگی پھیل

گئی اور لشکروں کے سردار بھی گھبرا گئے ہر ایک نے یہی سمجھا کہ ہمارے حریف نے زیادتی کی ہے۔

مورخین کہتے ہیں :-

"بصرہ کی جنگ جو جنگ جمل کے نام سے مشہور ہے اسی طرح برپا ہوئی۔ دونوں لشکروں کے سرداروں کو اس کا پہلے سے کوئی علم نہ تھا نہ جنگ کرنے کی رائے ہی تھی"

داستاں گو اور افسانہ نویس سبائیوں کا قصہ یہیں پر لاکر ختم کر دیتے ہیں۔ سبائیوں کا انجام کیا ہوا۔ وہ آخر گئے کہاں۔ جنگ جمل کے بعد انھیں زمین کھا گئی یا آسماں اسکا کوئی ذکر نہیں۔

اس قصہ کی ابتداء کیونکر ہوئی؟

ایک ہزار برس سے مورخین اس قصہ کو بیان کر رہے ہیں اور جوں جوں دن گذرتے جائیں گے اس قصہ کی اشاعت اور بڑھتی جائے گی اور اب تو کوئی کتاب صحابہ کے حالات میں نہ لکھی جاتی ہوگی جس میں اس قصہ کا تذکرہ نہ ہو۔ فرق یہ ہے کہ متقدمین نے بطور حدیث اس قصہ کو بیان کیا ہے اور متاخرین مسلمہ حقیقت قرار دیکر واقعات کے تجزیہ و تحلیل کے طور پر بیان کرتے ہیں۔

غرضکہ یہ قصہ حد تواتر تک پہونچ چکا ہے اور ہمہ گیر اشاعت اسے حاصل ہو چکی ہے، لہٰذا بہت ضروری ہے کہ اس کا پتہ چلایا جائے کہ اس

قصہ کی ابتدا کہاں سے ہوئی، اگلے مورخین نے اس قصہ کو کہاں سے لیا، کس کتاب سے لیا اور بعد کے آنیوالے مورخین نے کن کن کتابوں سے اُسے نقل کیا، قصہ کی روایت کرنیوالے کون ہیں اور کن کن سندوں سے یہ قصہ بیان گیا ہے۔

متأخرین میں ہم ایک تو علامہ سید رشید رضا مدیر المنار مصر کو پاتے ہیں جنھوں نے اپنی کتاب السنۃ والشیعہ صفحہ ۶ میں اس قصہ کو نقل کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں :۔

"خلیفہ چہارم حضرت علیؓ سے وابستگی اور اُن کی شیعت ہی دین وسیاست میں امت محمدیہ کے افتراق وپراگندگی کی بنیاد ہے" شیعت کے اصول ایک یہودی نے گڑھے جس کا نام عبداللہ ابن سبا تھا اس نے مکروفریب سے کام لیتے ہوئے اسلام ظاہر کیا اور لوگوں حضرت علیؓ کے بارے میں غلو کی دعوت دی۔ غرض یہ تھی کہ امت اسلام میں پھوٹ پڑجائے اور مسلمانوں کی دین ودنیا غارت ہوجائے

اس کے بعد رشید رضا نے اس قصہ کو اپنی کتاب کے صفحہ ۶ تک پھیلایا ہے اور جو کچھ بیچ میں آیا ہے حاشیہ بھی درج کیا ہے، لیکن یہ باتیں انھوں نے کہاں سے لکھی ہیں خود انکی عبارت سے واضح ہوجاتا ہے چنانچہ لکھتے ہیں :۔

"جو شخص جنگ جمل کے واقعات کو تاریخ کامل ابن اثیر میں مثلاً غور کی نگاہ سے دیکھے تو اُسے اندازہ ہوگا کہ سبائیوں کی سازش اور فتنہ انگیزی کتنی کامیاب ثابت ہوئی در آنحالیکہ صلح کی پوری پوری

امید ہو چکی تھی دیکھیو تاریخ کامل جلد ۳ صفحہ ۹۵ و ۹۶ و ۱۰۳)"

رشید رضا صاحب نے اپنی اس عبارت میں صاف صاف صراحت کی ہے کہ اُن کا ماخذ تاریخ کامل ہے چنانچہ اُنھوں نے کتاب کے صفحات بھی سہولت کی خاطر معین کر کے لکھ دیئے ہیں۔

اسی طرح مؤرخ ابو الفداء (المتوفی ۷۳۲ھ) نے بھی اپنی تاریخ میں دیگر غلط سلط قصّوں کے ضمن میں اس قصہ کو نقل کیا ہے اور کتاب کے دیباچہ میں صراحت کر دی ہے۔

"میں اپنی تاریخ کو ابن اثیر کی تاریخ کامل سے انتخاب کر کے لکھا ہے۔"

اور جب ہم ابن اثیر المتوفی ۶۳۰ھ کی تاریخ کامل کی چھان بین کرتے ہیں تو نظر یہ آتا ہے کہ اُنھوں نے پورا پورا یہ قصہ ۳۰ یا ۳۱ھ کے واقعات کے سلسلہ میں بیان کیا ہے لیکن یہ ذکر ہی نہیں کیا کہ اُنھوں نے کہاں سے اس قصہ کو لیا۔ ماخذ کیا ہے اس کا؟ البتہ اُنھوں نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں یہ سطریں لکھی ہیں:۔

میں نے اپنی اس کتاب میں وہ تمام باتیں اکٹھا کر دی ہیں جو کسی دوسری کتاب میں یکجا نہیں ملیں گی جو شخص غور و فکر سے کام لے گا وہ ہماری لکھی ہوئی باتوں کی صحت سے ناواقف نہ رہے گا۔ میں نے ابتداء تاریخ کی بہت بڑی کتاب تاریخ طبری سے کی ہے جسے امام ابو جعفر طبری نے تصنیف کیا ہے۔ کیونکہ یہی تاریخ تمام مسلمانوں میں بالاتفاق اعتماد و وثوق کے قابل ہے، اور اختلافی امور میں اسی کی طرف رجوع

کی جاتی ہے۔ چنانچہ اس تاریخ میں جتنے حالات ملے وہ سب میں نے لے لیے، امام طبری نے اکثر واقعات کے متعلق کئی کئی روایتیں ذکر کی ہیں، بعض روایتیں ایک ہی طرح کی ہیں، بعض میں کچھ کمی ہے بعض میں کچھ زیادتی، میں نے یہ کیا کہ جو روایت سب سے مکمل اور جامع نظر آئی اُس کو نقل کرلیا اور دوسری روایتوں میں جو فاضل باتیں تھیں اُنھیں بھی شامل کرلیا، اس طرح واقعہ کے متعلق جتنی باتیں مختلف طریقوں سے وارد ہوئی تھیں میں نے تسلسل سے ایک ہی عبارت میں لکھ ڈالیں۔ تاریخ طبری سے فارغ ہوکر میں نے دوسری مشہور کتابوں کا مطالعہ کیا اور ان میں جو باتیں ایسی ملیں جو تاریخ طبری میں نہ مل سکی تھیں میں نے اپنی کتاب میں اُنھیں بھی بڑھا لیا اور جو چیز جہاں پر درج کرنے کی تھی وہیں درج کی البتہ صحابہ رسولؐ کے مناقشات اور لڑائی جھگڑے بس اتنے ہی لکھے جتنے طبری میں ملے، دیگر مؤلفین کی کتابوں سے کچھ اضافہ نہیں کیا۔ ہاں کہیں مزید توضیح معلوم ہوئی یا کسی کا نام معلوم ہوگیا یا کوئی اور ایسی بات جس سے صحابہ پر کوئی حرف نہیں آتا تھا اُسکے نقل کرلینے میں مینے کوئی مضائقہ نہیں سمجھا۔

"میں نے تمام مورخین میں طبری ہی پر اس لئے بھروسہ کیا کہ وہ اس فن کے واقعی امام، جامع علوم، صحیح الاعتقاد اور صداقت شعار تھے، اگرچہ میں نے دوسرے بھی سچے دیانتدار ہی مورخین کی عبارتیں

نقل کی ہیں۔

معلوم ہوا کہ مورخ ابو الفدا ہوں یا سید رشید رضا، سب ہی نے اس قصۂ ابن سبا کو ابن اثیر کی تاریخ کامل سے نقل کیا اور ابن اثیر کی تاریخ خلاصہ ہے تاریخ طبری کا۔ تھوڑا بہت دوسری کتابوں سے انھوں نے فائدہ اٹھایا بھی ہے تو چونکہ ابن سبا کے اس قصہ میں صحابہ کے مناقشات مذکور ہیں اسلیے بقول خود صرف تاریخ طبری ہی سے نقل کرنے پر انھوں نے اکتفا کی دوسری کتابوں سے کچھ نقل نہیں کیا۔

یہی حال ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ کا ہے انھوں نے اپنی تاریخ البدایۃ والنہایۃ جلد ہفتم میں ابن سبا کے اس پورے قصہ کو نقل کیا ہے ص ۱۶۷ پر لکھتے ہیں:-

"سیف ابن عمر نے بیان کیا ہے کہ حضرت عثمان کے خلاف لوگوں کے اٹھ کھڑے ہونیکا سبب یہ تھا کہ ایک شخص جسے عبداللہ بن سبا کہا جاتا ہے اور جو یہودی تھا بظاہر مسلمان ہوا اور مصر کی طرف چلا گیا اس نے وہاں اپنے جی سے گڑھ کر لوگوں کے دل میں بہت سی باتیں ڈالدیں"

یہ جملہ لکھ کر ابن کثیر نے ابن سبا کے قصہ کو شروع سے آخر تک نقل کر دیا ہے یہاں تک کہ جنگ جمل کا پورا واقعہ لکھ چکے تو ص ۲۴۶ پر یہ فقرہ لکھا:-

"یہ خلاصہ ہے اس کا جسے طبری نے ذکر کیا ہے"

فرید وجدی نے بھی اپنی کتاب دائرۃ المعارف جلد ۷ میں لفظ

عثمان کے تحت اور جنگ جمل کے ذکر کے موقع پر بسلسلہ حالات حضرت علی ابن ابی طالب اس قصہ کو بیان کیا ہے اور صفحہ ۱۶۵ و ۱۶۹ پر اشارۃً لکھا ہے کہ ہم نے اس قصہ کو تاریخ طبری سے نقل کیا ہے :۔

رہ گئے موجودہ زمانہ کے مورخین جنھوں نے تاریخ اسلام سے تحلیلی بحث کی ہے اور واقعات کا تجزیہ اور چھان بین کر کے مبدا اور اصل تک پہونچنے کی کوشش کی ہے انہیں ہم ایک احمد امین کو پاتے ہیں جنھوں نے اہل ایران اور اسلام میں اُن کا اثر کے موضوع پر بحث کرتے ہوئے اس قصہ کو لکھا ہے چنانچہ وہ اپنی کتاب فجر الاسلام" صفحہ ۱۳۶ پر مزدک کی تعلیمات کو دنیا میں سب سے پہلی اشتراکیت قرار دینے کے بعد لکھتے ہیں۔

" جناب ابوذر غفاری کے نظریہ اور مزدک کے نظریہ میں گونہ مشابہت جھلکتی ہے (مگر یہ مشابہت صرف سرمایہ کی تقسیم میں پائی جاتی ہے)

چنانچہ طبری کا بیان ہے، ابوذر شام میں مقیم ہوئے اور لوگوں سے یہ کہنے لگے، اے گروہ اغنیا فقیروں سے ہمدردی کرو، بشارت ہو ان لوگوں کو جو سونا، چاندی خزانہ میں جمع کر کے رکھتے ہیں اور راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے انکی کہ وہ جہنم میں رہیں گے اور آگ سے اُن کی پشتیں اور پیشانیاں داغی جائیں گی۔ جناب ابوذر نے اس بات پر اتنا زور دیا کہ نادار مسلمان بھی اُنکے ہمنوا اور انکی باتوں پر فریفتہ ہو گئے اور مالداروں سے اسی کے متقاضی ہوئے یہاں تک کہ مالدار افراد عوام سے پریشان ہو اُٹھے، پھر معاویہ

نے ابوذر کو شام سے مدینہ حضرت عثمان کے پاس بھیجدیا تاکہ وہ شام والوں کو بگاڑ نہ سکیں جب حضرت عثمان نے ابوذر سے پوچھا کہ شام والے کیوں آپ سے نالاں ہیں؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ مالداروں کو مناسب نہیں کہ مال جمع کرکے رکھیں۔"

اس سے پتہ چلا کہ دولت کے متعلق ان کا نظریہ قریب قریب وہی ہے جو مزدک کا نظریہ تھا لیکن ابوذر نے یہ نظریہ پایا کہاں سے اس سوال کا جواب طبری نے دیا ہے لکھتے ہیں :-

"ابن السوداء (عبداللہ بن سبا) حضرت ابوذر سے ملا اور اپنے خیالات و نظریات اُن کے سامنے پیش کیے۔ یہ ابن سبا، ابودرداء اور عبادہ بن صامت کے پاس بھی پہونچا مگر انھوں نے اس کی باتوں پر کان نہ دھرا۔ عبادہ اسے معاویہ کے پاس پکڑ کر لے بھی گئے کہ اسی نے تمھارے خلاف ہنگامے برپا کئے ہیں۔"

ہم جانتے ہیں ابن السوداء عبداللہ بن سبا کا لقب ہے جو صنعاء کا یہودی تھا۔ عہد عثمان میں اس نے اسلام ظاہر کیا اس نے ارادہ کیا کہ مسلمانوں کے دین کو غارت کرے اس نے شہروں میں بہکنے والے اور نقصان رساں عقائد کی اشاعت کی جنھیں ہم بعد میں بیان کریں گے، اس نے بہت سے ملکوں اور شہروں کا سفر کیا، حجاز، مصر، شام، کوفہ، بصرہ وغیرہ کے دورے کئے تھے لہٰذا ابہت قوی احتمال اس کا ہے کہ اس نے

یہ خیالات دنظریات عراق یا یمن کے مزدکیوں سے حاصل کئے ہوں اور جناب ابوذر خلوص نیت کے سبب ابن سبا کی باتوں میں آگئے ہوں۔" الخ

اس عبارت کے حاشیہ پر احمد امین لکھتے ہیں:۔

انظر الطبری ج ۵ ص ۶۶ د ما بعدھا

دیکھو طبری ج ۵ ص ۶۶ اور اس کے آگے۔

اور اپنے اس فقرہ

" اس نے شہروں میں بہت سے مضر او نقصان رساں عقائد کی اشاعت کی جنھیں ہم بعد میں بیان کریں گے"

میں فاضل موصوف نے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا کرتے ہوئے ص ۱۱۰ پر لکھتے ہیں۔

" حضرت عثمان کے آخری زمانہ میں خفیہ جماعتیں حضرت عثمان کو معزول اور اُن کی جگہ پر دوسرا خلیفہ مقرر کرنے کے لئے تمام ممالک میں پھیل گئیں انھیں جماعتوں میں ایک وہ جماعت بھی تھی جو علیؑ کو خلیفہ مقرر کرنے کے لئے کوشاں تھی اس جماعت کا سرگرم کارکن عبداللہ ابن سبا تھا۔ یہ یمن کا یہودی تھا جو مسلمان ہو گیا تھا، اس نے بصرہ، کوفہ، شام، مصر کے دورے کئے اور ہر جگہ یہ کہتا پھرا کہ ہر نبی کے لئے ایک وصی ہوتا رہا علیؑ محمد مصطفےٰ کے وصی ہیں۔ جو شخص پیغمبرؐ کی وصیت کو پورا نہ کرے اور پیغمبرؐ

کے وصی پر تغلب کرے اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا؟"

یہ شخص حضرت عثمان کے مخالفین میں سب سے سخت و شدید تھا

یہاں تک کہ عثمان قتل کر ڈالے گئے۔"

پھر ص۲۱۳ پر لکھتے ہیں:-

"یہ تاریخی واقعات کا مختصر خلاصہ ہے جسے ہم نے بہت مجبور ہو کر ذکر کیا ہے، کیونکہ اسی پر اسلام کے تین بڑے فرقوں کی بنا پڑی سنی خوارج، شیعہ"

فاضل موصوف اتنا کچھ لکھنے سے یہ ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ شیعیت علیؑ کے وصی رسول ہونے اور رجعت کے عقائد کا سنگ بنیاد عبداللہ بن سبا نے رکھا اور ان سب باتوں کا نتیجہ آخر میں یہ نکالا ہے کہ حضرت ابوذر اشتراکی تھے اور اشتراکیت ابن سبا کے پروپگنڈے سے پھیلی اور ابن سبا ایران کی مزدکیہ سے متاثر تھا۔

اسی بات کو انھوں نے پھر ص۲۲۳ پر دھرایا ہے۔ چنانچہ حاشیہ پر لکھتے ہیں:-

"بعض تحقیق کے دلدادہ افراد کا خیال ہے کہ عبداللہ ابن سبا ایک فرضی شخص ہے اس کا کوئی تاریخی اور تحقیقی وجود نہیں لیکن ہماری نظر سے کوئی دلیل ایسی نہیں گذری جو ان کے دعویٰ کو ثابت کر سکے"

سلہ کوئی ان سے پوچھے فاضل موصوف کہ منکر پر بار ثبوت کب ہوتا ہے؟ وہی پر لازم ہے کہ جس چیز کا وہ وجود کر رہا ہے اس کا ثبوت بھی پیش کرے جو حضرات ابن سبا کے وجود کے قائل ہیں ان پر لازم ہے کہ تاریخی دلائل و براہین سے ثابت کریں کہ واقعا اس نام کا کوئی شخص دنیا میں گذرا بھی ہے؟

اسی طرح ہم ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن کو پاتے ہیں جو اپنی کتاب تاریخ الاسلام السیاسی کے اندر حضرت عثمان کے آخر زمانہ خلافت میں مسلمانوں کی حالت کی تصویر کشی کرنے کے بعد صفحہ ۳۴۷ پر لکھتے ہیں:۔

یہ فضا انقلاب کے لیے پوری طرح سازگار اور عبداللہ ابن سبا اور اسکے پیروؤں کی باتوں کو قبول کرنے اور متاثر ہونے کے لیے انتہائی حد تک تیار تھی، اس ہنگامہ کی آگ ایک جلیل القدر و عظیم المرتبت صحابی نے بھڑکائی جو سابقین میں سے تھے اور زہد و پرہیزگاری میں مشہور اور بزرگ ترین ائمۂ حدیث سے تھے یعنی حضرت ابوذر غفاری جنھوں عبداللہ بن سبا کی باتوں میں آکر حضرت عثمان اور اُن کے گورنر معاویہ کی سیاست کو چیلنج کیا تھا، یہ عبداللہ بن سبا صنعا کا رہنے والا ایک یہودی تھا جو مسلمان ہو گیا تھا اس نے ممالک اسلامیہ کے دورے کیئے ابتداء اس نے حجاز سے کی پھر بصرہ آیا اسکے بعد کوفہ اور کوفہ سے شام و مصر گیا۔" الخ

اس عبارت کے حاشیہ پر ڈاکٹر صاحب موصوف لکھتے ہیں:۔

"تاریخ طبری جلد ۱ ص ۵۹"

پھر ص ۳۴۹ پر لکھتے ہیں:۔

"ابن سبا جس نے سب سے پہلے حضرت عثمان سے لوگوں کو متنفر و بیزار بنایا اُس نے انھیں خلافت سے معزول کرنے کے لیے راستہ بالکل ہموار پایا۔"

اس عبارت کے حاشیہ پر بھی ڈاکٹر صاحب موصوف نے چار مرتبہ طبری کے انھیں صفحات کا حوالہ دیا ہے اسی طرح صفحہ ۳۵ پر اس قصہ کو لکھا ہے اور بارہ جگہ طبری کے انھیں صفحات کا حوالہ دیا ہے جو اکیلا ماخذ ہے اس قصہ کا

لیکن طبری نے جنگ جمل کے متعلق جو باتیں لکھی ہیں وہ ڈاکٹر صاحب موصوف کو ٹھیک نہیں معلوم ہوئیں اسلیئے اس موقع پر گول کر گئے حالانکہ دونوں میں ابن سبا ہی سنگ بنیاد ہے، اسی نے ساری اسلامی دنیا کو حضرت عثمان کے خلاف برانگیختہ کیا اور اسی کی سازشی کاروائیوں کی بدولت جنگ جمل پیش آئی، پھر ان دونوں واقعات کا ماخذ بھی ایک ہے اور بیان کرنے والا بھی ایک یعنی "طبری"

غرضکہ جمہور مسلمین کے متقدمین علما ہوں یا متاخرین سب ہی نے عبداللہ بن سبا کے قصہ کو طبری ہی سے نقل کیا ہے اور ہر ایک نے اسی کا حوالہ دیا ہے۔

رہ گئے مستشرقین تو ان میں فان فلوتن اپنی کتاب سیادۃ عربیہ شیعہ اور اسرائیل عہد بنی امیہ میں "تسلسلہ" ذکر جماعات شیعہ صفحہ ۷۹ پر لکھتے ہیں :-

• لیکن سبائیہ یعنی عبداللہ بن سبا کے انصار جو عہد عثمان میں علیؑ کو زیادہ سزاوار خلافت سمجھتے تھے"

اس عبارت کا حاشیہ انھوں نے صفحہ ۸۰ پر درج کیا ہے اور

حاشیہ میں انھوں نے طبری اور اُسکے صفحات کا حوالہ دیا ہے

نکلسن اپنی کتاب تاریخ ادب عربی مطبوعہ کیمبرج ص۲۱۵ پر لکھتے ہیں

"وہ عبداللہ بن سبا جس نے فرقہ سبائین کی بنیاد رکھی صنعاء یمن کے رہنے والوں میں سے تھا، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ پہلے یہودی تھا، عہد عثمان میں مسلمان ہوا، اس کے بعد اس نے دورے اور تقریریں کرنی شروع کیں، مورخین بیان کرتے ہیں کہ وہ ایک شہر سے دوسرے شہر میں پھرتا تھا تاکہ مسلمانوں کو گمراہ کرے اور انھیں مواردِ خطا میں لاڈالے، حجاز میں آیا، وہاں سے بصرہ پہونچا بعدہٗ کوفہ، پھر شام میں نمودار ہوا اور آخری سفر اس نے مصر کا کیا اور وہیں خیمہ زن ہو گیا، جہاں لوگوں کو رجعت کے اعتقاد کی دعوت دیتا تھا۔

ابن سبا کا عقیدہ .... ابن سبا کہا کرتا تھا انتہائی حیرت انگیز و تعجب خیز ہے کہ کوئی شخص اس بات کا تو اعتقاد رکھے کہ عیسیٰ اس دار دنیا میں پلٹ کر آئیں گے لیکن حضرت محمد مصطفیٰ کے دوبارہ دنیا میں آنے کا معتقد نہ ہو جس پر قرآن نے نص بھی کی ہے، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہزاروں نبی دنیا میں ایسے گذرے کہ ہر نبی کا ایک وصی ہوا کیا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی علیؑ ہیں۔ لہٰذا محمد آخر الانبیاء ہیں اور علیؑ آخر الاوصیاء ہیں"

یہ سب کچھ لکھنے کے بعد مستشرق موصوف نے حاشیہ پر اسی طبری اور اس کے صفحات کا حوالہ دیا ہے

دائرۃ المعارف الاسلامیہ جسے جرمنی، انگلینڈ، فرانس کے بڑے بڑے مستشرقین نے مل کر ترتیب دیا اس کی پہلی جلد کے صفحہ ۲۹ پر ہمیں یہ عبارت ملتی ہے کہ:-

"طبری اور مقریزی کی روایات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن سبا جن چیزوں کی تبلیغ کرتا تھا ان میں ایک چیز یہ تھی کہ حضرت محمد مصطفےٰ دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے، نیز اس نے ایک قاعدہ بنایا تھا کہ ہر نبی کے لئے ایک وصی ہوا کیا اور علیؑ حضرت محمد مصطفےٰ کے وصی ہیں اس کا نظریہ یہ تھا کہ "ہر مومن پر فرض ہے کہ علیؑ کی معیت میں حق کی حمایت و نصرت کرے تولاً اور عملاً دونوں حیثیتوں سے کہا جاتا ہے کہ ابن سبا پروپاگنڈہ کرنے والوں کو استعمال کرتا تھا جو اس کے خیالات و نظریات کی تبلیغ کیا کرتے، یہ ابن سبا ان لوگوں میں سے تھا جو ماہ شوال ۳۵ھ مطابق اپریل ۶۵۶ء میں مصر سے مدینہ حضرت عثمان کو قتل کرنے کیلئے گئے تھے۔"

اس دائرۃ المعارف میں بھی طبری ہی کا حوالہ ہے۔ طبری کے علاوہ مقریزی کا بھی ذکر ہے لیکن مقریزی کی روایات اعتماد کے قابل نہیں کیونکہ اس نے سلسلہ اسناد ذکر کئے ہیں، نہ اس کا ماخذ ذکر کیا ہے جس سے اس نے قصہ ابن سبا کو نقل کیا۔ مقریزی تو نویں صدی ہجری کا مورخ ہے جو واقعہ اسکی پیدائش سے تقریباً ۸۰۰ برس پہلے گزرا ہو اسکو بغیر کسی کتاب کے حوالہ کے بیان کرنا جتنا ناقابل اعتبار ہے ظاہر ہے۔

روایت ہم ڈونلڈس اپنی کتاب عقیدۃ الشیعہ ص۵۸ پر رقمطراز ہے۔

"قدیمی روایتیں ہمیں بتاتی ہیں کہ اصحاب علیؓ اور شیعیان علیؓ محض سیاسی اغراض کے تحت علیؓ کی خلافت کے قائل نہ تھے بلکہ خلافت کو علیؓ کا حق الٰہی سمجھتے تھے، اس عقیدہ کی نشرواشاعت میں ایک مخفی شخصیت کے پروپگنڈوں اور ریشہ دوانیوں کو بڑا دخل حاصل ہے حضرت عثمان کے زمانہ میں ایک شخص ظاہر ہوا جس کا نام عبداللہ بن سبا تھا، اس نے مسلمانوں کو بگاڑنے اور غارت کرنے کے لیئے تمام ممالک اسلامیہ میں گھوم پھر کر اپنے عقائد کی تبلیغ واشاعت کی جیسا کہ طبری کا بیان ہے .... الخ"

مستشرق موصوف نے اس کتاب کے ص۵۹ پر جو حاشیہ تحریر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ابن سبا کے اس قصہ کو طبری سے نہیں بلکہ مذکورہ بالا کتب میں دائرۃ المعارف الاسلامیہ اور نیکلسن کی تاریخ الادب العربی سے اقتباس کیا ہے اور ان دونوں کتابوں میں ابن سبا کے متعلق جو کچھ بھی ہے وہ طبری ہی سے ماخوذ ہے۔

مختصر یہ کہ ابن سبا کا قصہ خوب پھیلا اور مشہور ہوا اکثر مورخین نے اس قصہ کو سلسلۂ اسناد کیساتھ ذکر کیا ہے بلا واسطہ یا بواسطہ طبری تک سلسلۂ اسناد کو منتہی کیا ہے کچھ مورخین ایسے بھی ہیں جنھوں نے اپنی کتابوں میں اس قصہ کو بغیر حوالہ کے لکھا ہے لیکن کتاب کے شروع یا آخر میں مصادر کتاب کی فہرست میں طبری کا نام لکھا ہے یا ان کتابوں کے نام کی صراحت کی ہے

جو طبری سے لکھی گئی ہیں جیسا کہ صاحب روضۃ الصفا نے لکھا ہے
ان تمام باتوں سے یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ طبری ہی
سے ابن سبا کے اس قصہ کی بنیاد پڑی ہے سب سے پہلے انھیں نے اپنی کتاب میں
اس قصہ کو لکھا ہے اور بعد میں آنے والے مورخین نے ان پر حیرت انگیز
حد تک اعتماد و وثوق کرتے ہوئے آنکھ بند کر کے اس قصہ کو اپنی کتابوں میں
نقل کر دیا لہذا ضروری ہے کہ تاریخ طبری پر توجہ مرکوز کر کے سلسلۂ اسناد
کی چھان بین کی جائے۔

طبری نے ابن سبا کے قصہ کو کن اسناد سے بیان کیا ہے

علامہ طبری نے ابن سبا کے قصہ کو بس فقط ایک شخص سیف بن عمر تمیمی
برجمی کوفی کے واسطہ سے بیان کیا ہے چنانچہ سنہ ۳۰ھ کے واقعات کے
سلسلہ میں لکھتے ہیں:۔

"اسی سال یعنی سنہ ۳۰ھ میں جناب ابو ذر اور معاویہ کے اختلافات
و نزاعات ظہور پذیر ہوئے اور معاویہ نے انھیں شام سے ہٹا دیا
بہت سی باتیں ہیں، اکثر باتوں کو میں نے ذکر کرنا مناسب
نہیں سمجھا، جو لوگ اس بارے میں معاویہ کو بے قصور سمجھتے ہیں ان لوگوں
نے اسکے متعلق ایک قصہ بیان کیا ہے، مجھے سری نے لکھا کہ شعیب
نے سیف سے حدیث بیان کی اس نے عطیہ سے سنا اس نے یزید فقعسی سے
یزید فقعسی کہتا ہے کہ جب ابن السوداء شام وارد ہوا تو ابو ذر سے ملا

اور کہا کہ اے ابوذر آپ معاویہ پر تعجب نہیں کرتے .... الخ

اس کے بعد طبری نے ابن سبا اور ابوذر کے قصہ کو سیف کے حوالہ سے بیان کیا ہے اور آخر میں ابوذر کے حالات اس فقرہ پر ختم کیئے ہیں۔

"دوسرے لوگوں نے ان واقعات کے اسباب میں بے شمار اور بہت سے قابل شرم امور بیان کئے ہیں جن کے ذکر کو میں نے پسند نہیں کیا۔"

پھر ۳۰ھ سے لے کر ۳۶ھ تک کے واقعات میں بسلسلہ قتل عثمان و جنگ جمل طبری نے ابن سبا کے اس قصہ کو اسی سیف کے واسطہ سے بیان کیا، سیف کے علاوہ کوئی دوسرا واسطہ ہی نہیں۔

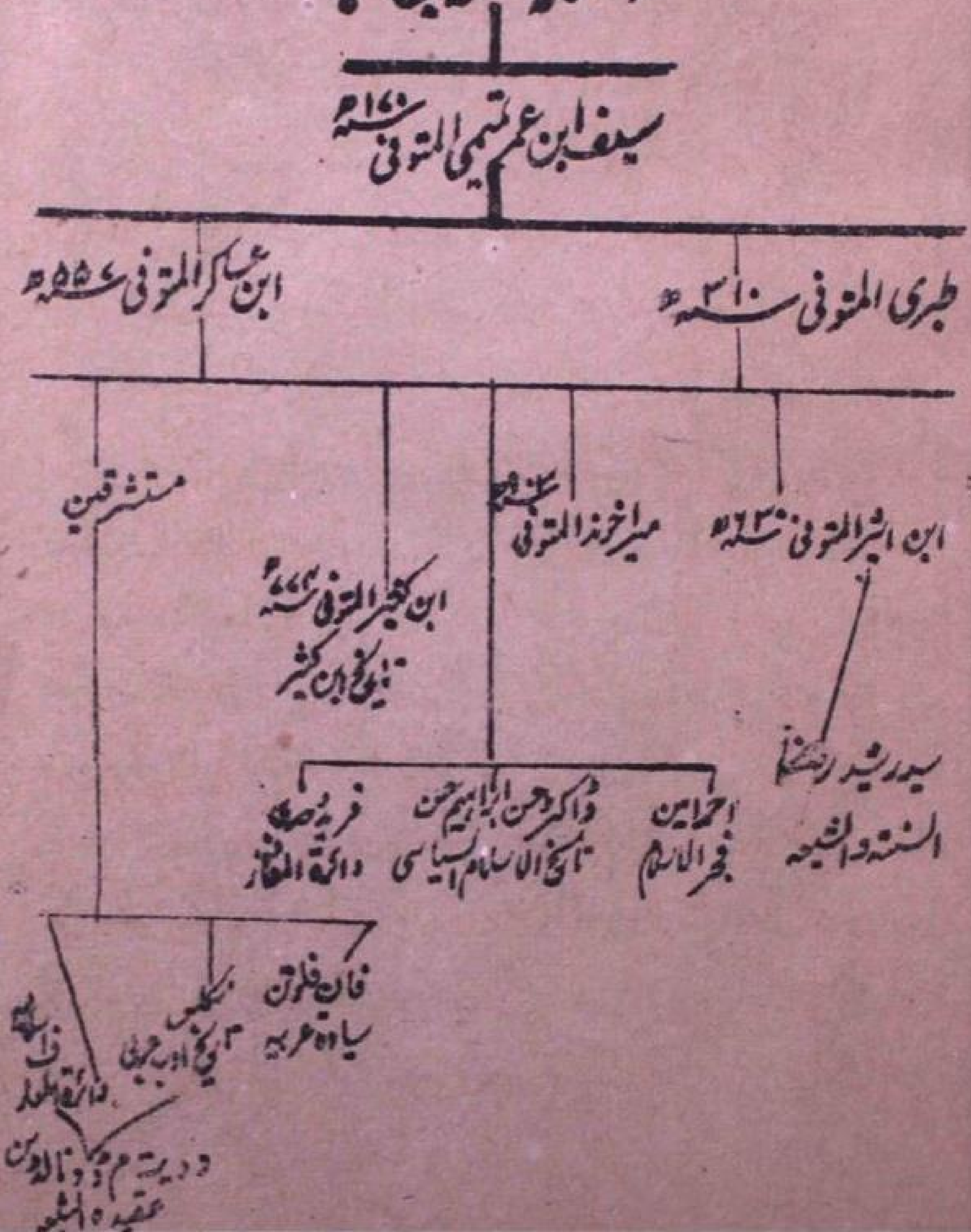
رہ گئے ابن عساکر تو انھوں نے بھی سیف کے قصے کہانیاں سیف ہی کے واسطہ اور اپنے سلسلۂ اسناد سے طلحہ، زیاد بن ابیہ، عبداللہ بن سبا کے حالات میں طبری کی طرح بیان کیئے، البتہ عبدالقادر بن احمد بن بدران جب تاریخ ابن عساکر کا خلاصہ کرنے بیٹھے تو انھوں نے ابن سبا کے قصہ کو سیدھے سیف کی طرف منسوب کر کے لکھا، سلسلۂ اسناد کو بیچ سے حذف کر دیا اور تاریخ طبری کا حوالہ دیدیا۔

بہرحال ان قصوں اور افسانوں کو ابن عساکر نے سیف سے خواہ طبری کے واسطہ کے بغیر روایت کیا ہو یا طبری کے واسطے سے دونوں صورتوں میں ان کا سلسلہ روایت بھی سیف ہی پر جاکر تمام ہوتا ہے۔

تو چونکہ ابوذر و عثمان اور جنگ جمل کے متعلق ابن سبا کے قصوں

اور افسانوں کو سیف ابن عمر ہی کی طرف مؤرخین نے منسوب کیا ہے اسلئے بلاشبہ اس قصہ کی جڑ اور بنیاد سیف ابن عمر ہے اسی نے سب سے پہلے اس کو بیان کیا اور اسی کی طرف سے نشر و اشاعت ہوئی

سلسلۂ قصہ ابن سبا



سیف ابن عمر اور اسکی حدیثوں کی قدر و قیمت

سیف ابن عمر تمیمی برجمی کوفہ کا رہنے والا تھا اور وہ کتاب الفتوح والردۃ اور الجمل وسیر عائشہؓ و علیؓ کا مولف ہے زمانہ خلافت ہارون رشید میں ۱۷۰ھ میں اس نے انتقال کیا۔

رواۃ کی شخصیت کا اندازہ کچھ تو ان کے حالات سے ہوتا ہے جو فن رجال کی کتابوں میں مذکور ہیں اور کچھ ان کی بیان کردہ روایات و احادیث کو پرکھنے اور ان کی چھان بین کرنے سے۔ جب ہم فن رجال کی کتابوں کی ورق گردانی کرتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ ان الفاظ میں ائمہ رجال نے سیف کا ذکر کیا ہے:

یروی عن خلق کثیر من المجہولین	بے شمار گمنام اور مجہول الحال لوگوں سے روایت کرتا ہے
ضعیف الحدیث	اسکی حدیثیں بہت ضعیف ہوتی ہیں۔
لیس بشیء	یہ کچھ بھی نہیں۔
متروک یضع الحدیث	یہ متروک ہے، حدیثیں گڑھا کرتا تھا۔
وھو فی الروایۃ ساقط	یہ ساقط الروایۃ ہے۔
یروی الموضوعات عن الثقاۃ	معتبر لوگوں سے منسوب کرکے من گڑھت حدیثیں روایت کرتا تھا۔
عامۃ حدیثہ منکرۃ	اسکی زیادہ تر حدیثیں منکر (ناشناخت) ہیں۔
متھم بالوضع والزندقۃ۔	زندقہ اور وضع کے ساتھ متہم ہے۔

(فہرست ابن ندیم ص۱۳۷، میزان الاعتدال جلد ۱ ص۴۳۸، ۲۵۸)

تہذیب التہذیب جلد ۴ صفحہ ۲۹۶ میں مذکورۂ بالا تمام الفاظ سیف کے متعلق فن رجال کے جلیل القدر علماء، ابن معین، ابی حاتم ابو داؤد و نسائی، دارقطنی، ابن عدی، ابن حبان، عباس بن یحییٰ وغیرہم سے مذکور ہیں)

علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب لئالی مصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ میں صرف ایک حدیث (بطور نمونہ) سیف ابن عمر سے نقل کی ہے اور نقل کرنے کے بعد لکھا ہے۔

"یہ حدیث موضوع ہے اس کے سلسلہ اسناد میں سب ہی ضعیف راوی ہیں سب سے زیادہ ضعیف ان میں سیف ہے۔"

غرضکہ علمائے فن رجال نے انھیں لفظوں سے سیف کی توصیف کی ہے۔ (کتاب عبداللہ بن سبا مرتضیٰ عسکری نجف عراق)

صاحبان فکر و نظر اور ارباب تحقیق کے فیصلے

ایک بڑا ضروری سوال یہ ہے کہ آخر کیا وجہ تھی کہ حضرت عثمان نے عبداللہ بن مسعود ایسے عظیم المرتبت صحابہ کو مارا پیٹا، انھیں ایک شخص نے ہاتھوں پر اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا جس سے اُن کی ہڈی پسلی ٹوٹ گئی اور آخر اسی صدمہ سے ان کی موت ہوئی، حضرت ابوذر کو انتہائی دردناک اذیتیں پہونچائی گئیں اور ربذہ نکال باہر کیا گیا جہاں غربت و بیچارگی میں جاں بحق ہوئے، حضرت عمار کو اتنا مارا کہ انھیں فتق کا عارضہ

لاحق ہو گیا، بڑے بڑے صحابہ اور جلیل القدر تابعین کو جلا وطن کیا، جان لیوا سزائیں دیں اس قصور پر کہ وہ حضرت عثمان کے افعال و اعمال پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے تھے مگر حضرت عثمان، عبداللہ بن سبا کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے پورے ممالک اسلامیہ پر حضرت عثمان کا غلبہ و اقتدار تھا، ہر شہر کا حاکم ہر صوبہ کا گورنر حضرت عثمان کا کوئی نہ کوئی قریبی عزیز ہی تھا، چاہیے تھا کہ ابن سبا کے سر اٹھاتے ہی حکومت کی پوری مشنری اس کے خلاف تیزی سے حرکت میں آجاتی اور جہاں ملتا اسے سولی دیکر قصہ ختم کر دیا جاتا ہر شخص پوچھنے کا حق رکھتا ہے کہ آخر ابن سبا اور اسکے ساتھیوں پر حضرت عثمان کی حکومت نے کیوں نہیں پابندیاں عائد کیں جنھوں نے شہر شہر گاؤں گاؤں فتنہ و فساد پھیلا رکھا تھا اور ان متدین و خالص الایمان صحابہ کرام اور مومنین صالحین پر کیوں زلزلہ اتارا گیا جن کا مطمح نظر محض امر بالمعروف و نہی عن المنکر رہا کیا ابن سبا کو ختم کر کے سولی دیکر ہاتھ پیر کاٹ کر یا سرزمین اسلام کے نکال باہر کر کے فتنہ و فساد کی اصل جڑ ہی کاٹی نہیں جاسکتی تھی؟

اس سوال کا جواب اسکے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ ابن سبا کا کوئی وجود کبھی تھا ہی نہیں اور یہ کوئی گوشت و پوست والا انسان اس نام کا گذرا ہے یہ محض حضرت عثمان کے پرستاروں کی خیالی تخلیق ہے جنھوں نے حضرت عثمان کے مرنے کے سو ڈیڑھ سو برس کے بعد حضرت عثمان کے افعال و اعمال کو سبک دکھلانے اور شیعیان امیرالمومنین کو ذلیل

کرنے کے لیے جنم دیا اور پروان چڑھایا۔

لطف کی بات یہ ہے کہ کہاں تو ابن سبا کا اتنا فروغ کہ جس شہر سے گذرتا حضرت عثمان کے خلاف آگ لگاتا ہوا گذرا شہر کے شہر صوبے کے صوبے اسکے دائرے میں آہستہ چلے گئے، ہر مقام کی آبادی اس کی مطیع بنتی گئی حتی کہ بقول ڈاکٹر حسن ابراہیم حسن مصری وغیرہ حضرت ابوذر ایسے جلیل القدر صحابہ پیغمبر بھی اس کے دام فریب میں آگئے اور اتنا اقتدار اس کو حاصل ہو گیا کہ خود مصر میں بیٹھا رہا اور مصر و کوفہ کے لوگوں نے اسلامی دارالسلطنت مدینہ میں آکر حضرت عثمان کو قتل کر ڈالا۔ ظاہر ہے کہ ایسی جماعت کوئی دس بیس سو دو سو افراد پر مشتمل نہ ہوگی بلکہ جب کئی کئی صوبہ کی آبادی اسکے ہمخیال ہو گئی تو اس کے حلقہ بگوشوں کی تعداد ہزاروں سے گذر کر لاکھوں تک پہونچ گئی ہوگی اور اتنی بڑی تعداد چار چھ برس میں صفحۂ ہستی سے اس طرح نابود ہو گئی کہ بعد میں اس جماعت کا کوئی نام لیوا بھی باقی نہ رہا، دنیا جانتی ہے کہ فرقہ خوارج کی ابتدا جنگ صفین سے ہوئی اور واقعۂ نہروان میں وہ اتنی کثرت سے مقتول ہوئے کہ صرف نو آدمی اس فرقہ کے زندہ بچ رہنے میں کامیاب ہوئے مگر ان نو آدمیوں سے اس جماعت کو اتنی نشو و نما ملی کہ آگے چل کر انھوں نے کھلم کھلا حکومت سے ایک مرتبہ نہیں متعدد بار ٹکر لی اور عرصہ دراز تک اسلامی حکومت کے لیے درد سر بنے رہے، ان ہولناک واقعات اور ہوش ربا تذکروں سے تاریخ کے اوراق سیاہ ہیں آج بھی کم و بیش کہیں اس فرقہ کے لوگ پائے ہی جاتے

ہیں۔ مگر ابن سبا اور اُس کی جماعت کے متعلق تمام مؤرخین کا متفقہ بیان ہے کہ حضرت عثمان کے عہد حکومت میں اسکی ابتدا ہوئی، تمام مورخین عہد عثمانی کے فتنہ و فساد کے ذکر کے موقع پر ابن سبا اور اس کی جماعت کا ذکر کرتے ہیں، حضرت عثمان کے قتل کے بعد اور جنگ جمل سے قبل کے واقعات کے سلسلہ میں شدومد سے اسکا تذکرہ کرتے ہیں جنگ جمل کے موقع پر جب حضرت علیؓ اور طلحہ وزبیر و عائشہ میں صلح کی بات چیت ہو رہی تھی اس موقع پر بھی اس کا ذکر کرتے ہیں۔ مؤرخین یہ بھی لکھتے ہیں کہ جنگ کا کوئی امکان نہ تھا خود سبائیوں نے سازش کرکے جنگ چھیڑ دی، یہ سب کچھ مؤرخین لکھتے ہیں مگر پھر اسکے بعد یہ سبائین کہاں گئے؟ انھیں زمین کھا گئی یا آسمان اس کا کسی بھی مورخ نے ذکر نہیں کیا ــــ جنگ جمل کے کچھ دنوں ہی کے بعد جنگ صفین پیش آئی چاہیئے یہ تھا کہ سبائین صفین میں بھی ضرور موجود ہوتے جس طرح جنگ جمل میں انھوں نے علیؓ کی معیت میں جنگ کی اور انھیں کی وجہ سے علیؓ کا پلہ بھاری رہا، اسی طرح جنگ صفین میں بھی یہ فرقہ کوئی اہم رول ادا کرتا خصوصاً اس موقع پر تو اس فرقہ کی موجودگی کی اور زیادہ ضرورت تھی جب کہ معاویہ والوں نے نیزوں پر قرآن بلند کیے تھے مگر افسوس کہ کسی کتاب میں بھی جنگ صفین کے موقع پر فرقہ ابن سبا کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا۔

ڈاکٹر طٰہٰ حسین

اسی حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے مصر کے نامور فلسفی و ادیب مؤرخ ڈاکٹر طٰہٰ حسین اپنی مشہور کتاب الفتنۃ الکبریٰ جلد دوم صفحہ ۹۹، ۱۰۰ میں لکھتے ہیں:۔

واقل ما يدل عليه اعراض
المورخين عن السبئية وعن
ابن السوداء فی حرب صفين
ان امر السبئية وصاحبهم
ابن السوداء انما كان
متكلفا منحولا قد اخترع
باخرة حين كان الجدال
بين الشيعة وغيرهم من الفرق
الاسلامية ، اراد خصوم الشيعة
ان يدخلوا فی اصول هذا المذهب
عنصرا يهوديا امعانا فی الكيد
والنيل منهم ولو قد كان
امر ابن السوداء مستندا الی
اساس من الحق والتاريخ الصحيح
لكان من الطبيعی ان يظهر
اثره وكيده فی هذه الحرب
المعقدة المعضلة التی كانت
بصفين ، ولكان من الطبيعی
ان يظهر اثره حين من اصحاب

جنگ صفین میں سبائیوں اور ابن سبا
کے ذکر سے مورخین نے جو اعراض کیا ہے
اس سے کم سے کم یہ بات آئینہ ہو جاتی ہے
کہ ابن سبا بالکل فرضی اور من گھڑت
چیز ہے اور جب فرقہ شیعہ اور دیگر
اسلامی فرقوں میں جھگڑے چل رہے
تھے اس وقت اُسے جنم دیا گیا ،
شیعوں کے دشمنوں کا منشا یہ تھا کہ شیعوں کے
اصول مذہب میں یہودی عنصر داخل
کردیا جائے یہ سب کچھ بڑی زبردست
چال بازی اور مکر و فریب کی صورتیں
تھیں ، محض شیعوں کو زچ کرنے
کے لیے ورنہ اگر ابن سبا کا معاملہ کسی
صحیح بنیاد پر مبنی ہوتا اور معتبر تاریخ
سے اس کا پتہ چلتا ہوتا تو لازمی
طور پر اس فرقہ کا اثر و نشان اور
اس کا مکر و فریب جنگ صفین میں
ضرور ظاہر ہوتا خصوصًا معاملہ تحکیم کے موقع
پر جب اصحاب علیؑ میں اختلاف رونما ہوا

علی فی امر الحکومة ولکان من الطبیعی بنوع خاص ان یظهر اثرہ فی تکوین ھذا الحزب الجدید الذی کان یکرہ الصلح وینفر منه ویکفّر من مال الیه او شارك فیه.

ولکنا لا نری لابن السوداء ذکرًا فی امر الخوارج فکیف یمکن تعلیل ھذا الاھمال کیف یمکن ان نعلل غیاب ابن سبا عن وقعة صفین وعن نشأة حزب المحکمة۔

واما انا فلا اعلل الامرین الا بعلة واحدة، وھی ان ابن السوداء لم یکن الا وھمًا وان وجد بالفعل فلم یکن ذا خطر کالذی صورہ المورخون وصوروا نشاطه ایام عثمان وفی العام الاول من خلافة علی وانما ھو شخص ادخرہ

اسوقت بھی فطری طور پر اس فرقہ کا وجود ہونا چاہیئے تھا لیکن ہم خوارج کے معاملہ میں ابن سبا کا کوئی وجود نہیں پاتے، تمام تاریخیں اسموقع پر اسکے ذکر سے خاموش ہیں، اس خاموشی کی کیا توجیہ کیجا سکتی ہے اور واقعہ صفین اور فرقہ خوارج کے موقع پر ابن سبا کے غائب ہونیکی کیا وجہ بیان کیجا سکتی ہے۔

ہم تو بس ایک ہی نتیجہ پر پہنچتے ہیں اور وہ یہ کہ ابن سبا محض وہمی چیز ہے اور اگر بالفرض اس نام کا کوئی شخص موجود بھی رہا تو اسے ایسی اہمیت ہرگز حاصل نہیں کہ جیسی مورخین تصویرکشی کرتے ہیں اور قتل عثمان اور حضرت علیؑ کی خلافت کے پہلے سال میں اس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عبد اللہ ابن سبا ایک ہوّا ہے جسے شیعوں کے دشمنوں نے شیعوں کیلئے تلاش کیا ہے اور خوارج کے لیئے نہیں۔ کیونکہ خوارج تو مسلمانوں

خصوم الشیعة للشیعة وحدهم
ولم یکن خصومة للخوارج، لان
الخوارج لم یکونوا من الجماعة
ولم یکن لهم مطمع فی الخلافة
ولا فی الملك وانما کان
قوما یثورون بکل خلافة
وینقضون علی کل ملك
ویحاربون الخلفاء والملوك
ما وجدوا الی حربهم سبیلا
ثم هم لم یکونوا حزبا باقیا
متصلا عظیم الخطر ولاسیما
بعد ان انقضی عصر بنی امیة
وانما ضعف امرهم وقل
حدهم بعد ان تقدم الزمان
بدولة بنی العباس و بقی
مذهبهم معروفا بین
المتکلمین۔

کی جماعت میں داخل نہ تھے نہ انھیں
خلافت و سلطنت سے کوئی غرض تھی
وہ تو ایسی قوم تھے جو ہر خلافت پر
غضبناک اور ہر حکومت کی باغی
تھی وہ خلفاء و سلاطین سے آمادۂ
پیکار رہا کرتے جتنی بھی انھیں گنجائش
نصیب ہوتی۔ پھر ان خوارج کی
بعد میں کچھ ہمت بھی باقی نہ رہی بنی امیہ
کے ختم ہوتے ہوتے وہ بھی برائے نام
باقی رہے، بنی عباس کی حکومت آتے
آتے اُن کا معاملہ انتہائی ضعیف ہوگیا۔
اب صرف متکلمین کی کتابوں میں اُن کا
وجود باقی ہے۔ لہٰذا خوارج بہرحال
ایسی جماعت نہیں تھے کہ اُن سے اختلاف
و نزاع، اتنے شدید جدال تک
پہونچ جاتی ہے جیسا کہ شیعوں کے
کے ساتھ نوبت آئی۔

اس کے بعد ہی ڈاکٹر طٰہٰ حسین پھر لکھتے ہیں:-

والواقع ان الخصومة

سچی بات یہ ہے کہ بنی عباس کی

بين الشيعة واهل الجماعة
قد اتخذت الوانا من الجدل
والاذاعة والدعوة بعد ان
استقر الامر لبني العباس
كثر فيها المكر والكيد
والاختراع، بحيث يجب على
المورخ المنصف ان يحتاط
اشد الاحتياط حين يصور
هذه الفتن في عهدها الاول
واى شئ ايسر من ان يكذب اهل
الشام على اهل العراق ومن اهل العراق
على اهل الشام ولاسيما بعد ان يمضي
الزمن ويبعد العهد ويصبح التحقيق
من الوقائع الصحيحة عسيرا۔
والذين استباحوا لانفسهم
ان يضعوا الاحاديث على النبي
واصحابه لا يتحرجون من ان
يستبيحوا لانفسهم وضع الاخبار
على اهل الشام والعراق۔

سلطنت کے استوار ہو جانے کے بعد
شیعہ اور سنی کی باہمی عداوت
نے نت نئے رنگ اختیار کئے۔
جنگ و جدال، پروپگنڈہ بازی
اور تبلیغ کی طرح طرح کی صورتیں اختیار کی گئیں
مکر و فریب، اختراع و افترا کی بہتات
ہو گئی۔ اتنی کہ انصاف پسند مورخ
کو لازم ہے کہ جب وہ شروع زمانہ اسلام
کی تصویر کشی کرنے بیٹھے تو انتہائی احتیاط
سے کام لے، اس سے بڑھ کر اور
آسان بات کیا ہو گی کہ عراق والے
شام والوں کو جھوٹی تہمت لگائیں اور شام
والے عراق والوں کو خصوصاً اس وقت جبکہ صدیاں
گزر چکی ہیں، مدت طولانی ہو چکی ہے اور صحیح
واقعات کی چھان بین بیحد دشوار ہے۔
جو لوگ پیغمبر خدا پر تہمت لگانا اور حضرت کی طرف
منسوب کر کے جھوٹی حدیثیں گڑھنا اپنے لئے مباح
جانتے ہیں وہ شام و عراق والوں کے خلاف
باتیں گھڑنے میں کونسی دشواری محسوس کر سکتے ہیں

اور آگے چلکر لکھتے ہیں

وهما یکن من شئ فالبلاذری
لا یذکر ابن السوداء واصحابه
فی شیء من الفتنة ایام عثمان
وایام علی والطبری ورواته
الذین اخذوا عنه فیما بعد یذکرون
ابن السوداء واصحابه فی
امر الفتنة ایام عثمان وفی
العام الاول من ایام علیؓ
ثم ینسونهم بعد ذالك
والمحدثون واصحاب الجدل
متفقون مع الطبری واصحابه
فیما ذهبوا الیه، الا ان المحدثین
واصحاب الجدل ینفردون
من دون الطبری واصحابه
بشیء آخر فیزعمون ان ابن
السوداء واتباعهم الهوا علیا
وان علیا حرقهم بالنار
ولکنك تبحث عن هذا فی

جو کچھ بھی ہو علامہ بلاذری نے نہ تو حضرت
عثمانؓ کے زمانہ کے فتنہ و فساد کے ضمن میں
نہ حضرت علیؓ کے عہد خلافت کے تذکرہ
کے موقع پر عبداللہ بن سبا کا ذکر کیا طبری
اور طبری کے وہ رواۃ جن سے طبری نے یہ
قصہ حاصل کیا...... نیز وہ مورخین
جنہوں نے بعد میں طبری سے اس قصہ کو لیا سبھی
ابن سبا اور اسکے اصحاب کے قصہ کو حضرت عثمانؓ کے
زمانہ کے فتنہ و فساد کے ضمن میں اور حضرت علیؓ کی خلافت
کے پہلے سال کے تذکرہ میں بیان کرتے ہیں اسکے
اسکے بعد گول کر جاتے ہیں کسی کو بھی ابن سبا اور اسکے
اصحاب یاد نہیں رہتے، محدثین و مناظرین بھی
طبری اور طبری کے خوشہ چینوں کے ہمنوا ہیں طبری کے
بیان کئے ہوئے قصہ کو سر آنکھوں پر رکھتے ہیں،
بس فرق یہ ہو کہ محدثین و ارباب مناظرہ طبری کی بیان
کی ہوئی باتوں کے علاوہ اپنی طرف سے بھی ایک نرالی
بات اضافہ کر کے بیان کرتے ہیں جسمیں وہ منفرد ہیں
وہ یہ کہ ابن سبا اور اسکے پیرو حضرت علیؓ کی

كتب التاريخ فلا تجد لها
ذكرا فلسنا نعرف في اي عام
من اعوام الخلافة القصيرة
التي وليها علي كانت فتنة
هؤلاء الغلاة وليس تحريق
جماعة من الناس بالنار
في الصدر الاول للاسلام
وبين جماعة من اصحاب
النبي ومن صلحاء المسلمين
بالشئ الذي يغفل عنه المورخون
فلا يذكرونه ولا يوقتونه وانما
يهملونه اهمالا تاما۔

وكل ما رواه المورخون
هو ما ذكره البلاذري في
حديث قصير وقع اليه من
ان قوما ارتدوا بالكوفة
فقتلهم علي وحكم الاسلام فيمن
ارتد معروف وهو ان
يستتاب فان تاب حقن دمه

الوہیت کے قائل ہوگئے اور علیؓ نے اُن کو
آگ میں جلوا دیا لیکن اگر آپ تاریخ کی کتابوں
میں محدثین مناظرین کے اس چھوٹے بڑے
فتنے کو تلاش کیجئے تو کہیں پتہ بھی نہ ملے،
ہمیں تو کہیں سے بھی نہ معلوم ہو سکا کہ حضرت
علیؓ کے مختصر زمانہ خلافت میں کس سال ان
غالیوں کا فتنہ رونما ہوا۔ شروع زمانہ اسلام میں
لوگوں کو آگ سے جلا دینا پھر وہ بھی اصحاب
پیغمبر اور صالح مومنین کی موجودگی میں ایسی معمولی
بات نہیں کہ مورخین اس سے غافل رہتے اور اسے
اپنی کتابوں میں ذکر نہ کرتے اور ماہ و سال کی تعیین نہ کرتے
بلکہ بالکل ہی سکوت اختیار کرتے ہیں۔ مورخین
کی تمام لمبی چوڑی داستان کا خلاصہ بلاذری
نے مختصر لفظوں میں بیان کیا ہے کہ کوفہ کے کچھ
لوگ مرتد ہوگئے۔ حضرت علیؓ نے انھیں قتل
کر ڈالا۔ مرتد ہو جانے والوں کے متعلق اسلام
نے جو حکم دیا ہے وہ ہر شخص جانتا ہے اور وہ یہ
ہے کہ مرتد شخص سے پہلے توبہ کرائی جائے گی
توبہ کر لی تو جاں بخشی کر دی جائے گی۔ اگر

وان لم يتب قتل فلا غرابة اذاً في ان يقتل علیؓ نفراً ارتدوا، وان لم يتوبوا، ان صح هذا الخبر، وان كان البلاذري لم يسمّ احداً ولم يوقت لهذه الحادثة وقتاً وانما رواها مطلقة اطلاق من لا يطمئن اليها۔

(الفتنۃ الکبریٰ مطبوعہ مصر صـ۹۳ تا ۱۰۲ جلد دوم)

توبہ نہیں کی تو قتل کر ڈالا جائیگا۔ لہٰذا اگر حضرت علیؓ کے زمانہ میں کچھ لوگ مرتد ہو گئے ہوں اور آپ نے حکم اسلام پر عمل کرتے ہوئے انھیں قتل کر ڈالا ہو تو کون سے تعجب کی بات ہے؟ بشرطیکہ یہ قصہ صحیح بھی ہو اگرچہ بلاذری نے اس قصہ کو بیان کرتے ہوئے مرتد ہو جانے والوں میں سے کسی کا نام نہیں بتایا اور نہ اسکی صراحت کی کہ یہ واقعہ کب پیش آیا۔ بلاذری نے مطلقاً یہ واقعہ بیان کر دیا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ خود بھی اس واقعہ کا یقین نہیں رکھتے تھے۔

یہی ڈاکٹر طٰہٰ حسین الفتنۃ الکبریٰ جلد اول "عثمان" میں یہ بھی لکھ چکے ہیں۔ ہم اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف ترجمہ پر اکتفا کرتے ہیں:-

"اور میرا خیال یہ ہے کہ جو لوگ ابن سبا کے معاملہ کو اس حد تک بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں وہ اپنے اوپر بھی انتہائی زیادتی کرتے ہیں اور تاریخ پر بھی سب سے پہلے ہماری نظر تو اس بیان پر پڑتی ہے کہ متقدمین علماء کی بڑی بڑی کتابیں جو بعد کے مصنفین کا ماخذ بنیں ان میں ابن سبا کا کوئی ذکر موجود نہیں نہ تو ابن سعد نے عہد عثمان کے واقعات اور ان لوگوں کی برگشتگی و برہمی کے سلسلہ میں ابن سبا کا تذکرہ

کیا اور نہ علامہ بلاذری نے اپنی کتاب انساب الاشراف میں حالانکہ ہمارے یہاں علامہ بلاذری کی کتاب تمام مصادر و ماخذ میں سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہے اور اس میں حضرت عثمان کے عہد کے حالات اور لوگوں کی مخالفت اور اُن سے ناراضگی کا بیان بھی کافی تفصیل سے مذکور ہے۔

صرف علامہ طبری نے ابن سبا کے واقعات کو سیف بن عمر کے حوالے سے بیان کیا ہے اور طبری کے بعد جتنے مورخین آئے سبھی نے طبری ہی سے ابن سبا کے واقعات نقل کئے ہیں۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ حضرت عثمان کے زمانہ میں ابن سبا کی کوئی اہمیت تھی بھی یا نہیں لیکن ہمیں اس بات کا ضرور یقین ہے کہ بفرض محال اگر اسے کچھ اہمیت حاصل تھی تو یہ بھی اہمیت کچھ وزن نہیں رکھتی تھی اور نہ حضرت عثمان کے عہد کے مسلمان ایسے سادہ لوح تھے کہ ایک یہودی شخص جو تازہ تازہ مسلمان ہوا تھا وہ اُن کے عقول و معتقدات سے کھیلنے لگتا۔ یہ یہودی پوری طرح مسلمان بھی نہ ہوا تھا کہ فتنہ و فساد پھیلانے اور اطراف و اکناف میں مکر کا جال بچھانے پر کمربستہ ہو گیا۔

اگر عبداللہ بن عامر گورنر بصرہ یا معاویہ گورنر شام اس نام نہاد مسلمان کو جو پہلے یہودی تھا اور محض از راہ فریب مسلمان ہوا گرفتار کر لیتے تو یقیناً ایک یا دو دن حضرت عثمان کو اس کی خبر ہو تو ان

کی اطلاع لکھ بھیجتے اور عامر یا معاویہ یا دونوں ہی اسکی اچھی طرح گوشمالی کر دیتے ۔ یا عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح گورنر مصر ہی اس کا قصہ پاک کر دینے کے لئے کیا کم تھا جس نے محمد بن ابی بکر اور محمد بن ابی حذیفہ تک کو ختم کر دیا ہوتا مگر حضرت عثمان کے خوف سے باز رہا لہذا جو شخص محمد بن ابی بکر اور محمد بن ابی حذیفہ ایسے اشخاص کو نشانۂ تشدد بنانے کے لئے اور بعض روایات کے مطابق عمار یاسر کو مبتلائے عتاب بنانے کے لئے حضرت عثمان سے اجازت مانگ رہا تھا اسکے لئے ایک یہودی شخص کو کچلنے میں کیا چیز مانع ہو سکتی تھی اور یہودی بھی ایسا جس نے ظاہری طور پر مسلمان ہو کر مسلمانوں میں تفرقہ پردازی کا ارادہ کیا اور ان کے امام بلکہ ان کے دین تک میں بخیال مشکوک بنا دیا ۔

اس سے بڑھ کر آسان بات اور نہیں ہو سکتی تھی کہ حضرت عثمان کے عمال و حکام اس نام نہاد مسلمان ابن سبا کی تلاش و جستجو کرتے اسے پکڑ کر خوب اذیتیں پہونچاتے ۔ حضرت عثمان کے عمال حکومت کے مخالفین کی تلاش و جستجو اور انہیں وطن سے نکال باہر کرنے اور معاویہ یا عبد الرحمان بن خالد بن ولید کے پاس بھیج دینے کے عادی بھی تھے ۔ اور سب سے بڑھ کر حیرت انگیز و تعجب خیز جو بات عبد اللہ ابن سبا کے کے متعلق بیان کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ ابن سبا ہی نے جناب ابی ذر کو معاویہ پر اعتراضات تعلیم کئے معاویہ کے یہ کہنے پر کہ ان المال

مال اللہ مال سب خدا کا مال ہے ابن سبا ہی نے جناب ابوذر کو کہا کہ آپ یہ جواب دیجئے کہ انہ مال المسلمین نہیں یہ مسلمانوں کا مال ہے۔

یہاں تک کہا جاتا ہے کہ جناب ابوذر کی امراؤ و اغنیار کی مخالفت اور سونا چاندی ذخیرہ کرنے والوں کو آتش جہنم کی دھمکی اور ان کی تمام مذمت و تنقیص یہ سب ابن سبا کی تعلیمات کا نتیجہ تھیں۔

جناب ابوذر پر محدثین نے جو زیادتی کی ہے اپنا جواب نہیں رکھتی۔ ابوذر ایسا جلیل القدر صحابی اور اسے ایک نو مسلم سکھائے کہ مالداروں پر فقیروں کا بھی حق ہے اور جو لوگ سونا، چاندی خزانوں میں جمع کرکے رکھتے ہیں اور راہ خدا میں صرف نہیں کرتے خدا انھیں دردناک عذاب کی بشارت دیتا ہے۔ نیز یہ کہ وہ مال جو مسلمان دشمنوں پر فتحیاب ہوکر حاصل کریں یا جو مال اہل اسلام بیت المال کو بطور زکوٰۃ یا خراج ادا کریں یا کفار ذمی بیت المال میں جزیہ یا خراج داخل کریں وہ سب مسلمانوں کا مال ہے۔ مسلمانوں کو اسکی اطلاع دینا بلکہ فوراً مسلمانوں پر تقسیم کردینا واجب ہے۔

ابوذر اس کے محتاج نہ تھے کہ ایک نو مسلم انھیں تعلیم دے، انھیں وہ حقائق تعلیم کرے جو دین اسلام کی ابتدائی چیزیں ہیں۔ ابوذر تمام انصار سے پہلے مسلمان ہوئے اور بہت سے مہاجرین سے پیشتر اسلام لائے۔ مدت دراز تک پیغمبر کی صحبت میں رہے۔ قرآن بہت اچھی طرح حفظ کیا۔ پیغمبر کی بشارت

حدیثیں سنیں اور متقن طریقہ پر اُن کی روایت کی، پیغمبرؐ اور حضرت ابوبکر و عمرؓ کی جو روش اموال و حقوق کے متعلق رہی وہ اپنی آنکھوں سے دیکھی، اور حرام و حلال کو جس طرح دیگر صحابہ کرام نے پہچانا اُنھوں نے بھی پہچانا لہٰذا جو لوگ گمان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن سبا ابوذر سے ملا اور اپنے بعض معتقدات ان کے ذہن نشین کئے وہ اپنے نفس پر بھی ظلم کرتے ہیں اور جناب ابوذر پر بھی۔ اور عبداللہ بن سبا کو اس اونچے درجے پر پہونچا دیتے ہیں جس کا خود ابن سبا نے بھی کبھی تصور نہیں کیا ہوگا۔

راویان حدیث بیان کرتے ہیں کہ شام سے مدینہ واپس آنیکے بعد ایک مرتبہ ابوذر نے حضرت عثمان سے کہا مسلمانوں کے لیے یہی کافی نہیں کہ بس وہ زکوٰۃ دیدیں بلکہ ان کو چاہیئے کہ حاجتمندوں کو بھی دیں، بھوکوں کو کھلائیں اور راہ خدا میں اپنا مال خرچ کریں۔ اُس وقت کعب الاحبار موجود تھے، اُنھوں نے ابوذر کی گفتگو سن کر کہا جو شخص فریضہ ادا کرلے۔ بس اتنا ہی اُس کے لئے کافی ہے۔ اس پر حضرت ابوذر غضبناک ہوگئے اور بولے اے یہودیہ عورت کے فرزند تمھیں اس سے کیا ربط۔ کیا تم ہمیں ہمارے دین کی تعلیم دینا چاہتے ہو؟ تو جناب ابوذر کو یہ تک گوارا نہ تھا کہ کعب الاحبار دین کی باتیں اُنھیں بتائیں بلکہ مسلمانوں کے معاملات میں اپنی رائے سے دخل دیں اور اس پر اُنھوں نے اپنے عصا سے اُنھیں

بارا بھی حالانکہ بہ نسبت ابن سبا کے کعب الاحبار کو اسلام لائے مدتیں گذر چکی تھیں ۔ انھوں نے مدینہ ہی میں سکونت اختیار کر لی تھی اور صحابہ پیغمبرؐ کے درمیان صبح و شام اُن کا اٹھنا بیٹھنا تھا۔ حضرت عمرؓ اور عثمانؓ کی صحبت میں ہر وقت رہتے تھے ، برخلاف اسکے عبداللہ بن سبا سے اسلام کے بنیادی مسائل اور قرآن کے اصولی احکام سیکھنے پر تیار ہو گئے ۔ پیغمبرؐ کے جلیل القدر صحابی کی یہ بات کتنی حیرت خیز ہے کہ کعب سے دینی امور میں بحث و تکرار تو انھیں گوارہ نہ تھی اور ابن سبا کی باتیں سیکھنی دل سے پسند تھیں ۔

میرا تو یہی گمان ہے کہ عبداللہ بن سبا نے اسکے متعلق جو باتیں بیان کی جاتی اگر وہ صحیح بھی ہوں) جو کچھ کہا ہو کہا اور جو کچھ کیا ہو کیا اسوقت جب فتنہ رونما اور اختلاف پیدا ہو چکا تھا ، اس نے فتنہ کی آگ کو صرف بھڑکایا تھا سلگایا نہیں تھا ۔ اسی طرح میرا دوسرا گمان ہے کہ امویوں اور عباسیوں کے دورِ حکومت میں شیعوں کے دشمنوں نے عبداللہ بن سبا کے معاملہ میں بہت مبالغہ آمیزی کی اسکے حالات بہت بڑھا چڑھا کر بیان کئے ۔ اس سے ایک فائدہ تو یہ مدنظر تھا کہ حضرت عثمانؓ اور اُن کے عمال کی طرف جن خرابیوں کی نسبت دی جاتی ہے اور ناپسندیدہ باتیں جو اُن کے متعلق مشہور ہیں اُن کے بارے میں لوگ شک شبہ میں پڑ جائیں ۔ دوسرا فائدہ یہ کہ علیؑ اور اُن کے شیعہ لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل و

خوار ہوں۔ نہ معلوم شیعوں کے دشمنوں نے شیعوں پر کتنے غلط الزامات
لگائے اور نہ جانے شیعوں نے کتنی غلط باتیں اپنے دشمنوں کی طرف
عثمان وغیرہ کے حامیوں سے منسوب کیں۔

ہمیں اس مرحلہ پر احتیاط بہت ضروری ہے ہم صدر اول کے
مسلمانوں کو اس سے کہیں بلند و برتر سمجھتے ہیں کہ یمن سے آنے والا ایک
شخص جس کے ماں باپ یہودی تھے جس کی ماں حبشن تھی جو برسوں
یہودی رہ کر دھوکہ فریب کی خاطر مسلمان ہوا تھا۔ اُن کے دین و نظام
مملکت کا مذاق اُڑا گئے اُن کی عقل و دولت سے کھل کھیلے اور
اُسے اپنے مقاصد میں اتنی خاطر خواہ کامیابی ہو کہ سلطنت کا تختہ
اُلٹ دے اور مسلمانوں کو اُن کے خلیفہ سے اتنا برگشتہ کر دے کہ وہ
اپنے ہاتھوں اُن کے قتل پر آمادہ ہو جائیں۔ یہ سب باتیں عقل
میں نہیں آتیں نہ پرکھنے پر درست قرار پاتی ہیں نہ اُن پر تاریخ
کی بنیاد قائم کی جا سکتی ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ اس وقت کی اسلامی
زندگی کے حالات ہی کچھ اس کے مقتضی تھے کہ لوگوں کی رائیں
مختلف خواہشیں جداگانہ ہوں اور متضاد سیاسی جماعتیں ظہور
میں آئیں۔ پرانے زمانہ کے لوگ جو ارشادات قرآنی و نبوی اور
سیرۃ شیخین کے پابند تھے وہ بہت سے ناپسندیدہ امور رونما
ہوتے دیکھتے اور چاہتے تھے کہ اُن کا اسی طرح سامنا کیا جائے
جس طرح عمر سامنا کیا کرتے تھے۔ دور اندیشی، تشدد و ضبط نفس

اور رعایا پر سختی کے ساتھ۔ اور نوجوان، نوخیز لڑکے وہ قریش کے ہوں یا دیگر قبائل کے وہ ان نئے حالات کا نئے نفس کے ساتھ استقبال کرتے جس میں لالچ بھی ہوتی، سرکشی بھی، اپنی برتری کا احساس بھی اور لمبی چوڑی آرزوئیں بھی۔ ان کی ہمتیں بھی غیر معمولی طور پر بلند و بالا تھیں۔ اسی وجہ سے ان میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کا جذبہ تھا بڑھ چڑھ جانے کی امنگ تھی، صرف حکومت کے عہدوں کے لئے نہیں بلکہ حکومت اور ہر چیز کے لئے۔ نئے حالات تھے ہی ایسے جو جوان و پیر دونوں کو ایک رنگ میں رنگ دیں، ممالک دھڑا دھڑ فتح ہوتے جا رہے تھے، ہر جانب سے بے شمار دولت خراج کے طور پر سمٹ سمٹ کر آ رہی تھی لہذا اگر وہ ان ممالک مفتوحہ کے لئے ان کے اموال خراج سے فائدہ اٹھانے کے لئے باہم مقابلہ کرتے تو کون تعجب کی بات تھی، ابھی تو بہت سے شہر ایسے بھی باقی تھے جو فتح نہیں ہو پائے تھے، ہر جہت سے ان کی کوشش تھی کہ جو ممالک باقی رہ گئے ہیں وہ بھی ہم فتح کر لیں۔

دو ہی صورتیں ہیں یا تو اس وقت کے مسلمان دنیا کے طلبگار تھے یا دین کے، دونوں ہی صورتوں میں کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ ممالک کی فتح کے لئے بیچین اور ایک دوسرے پر سبقت لیجانے کی کوشش نہ کرتے۔ طالب دنیا تھے تو فاتح بننے کا شرف اور مال غنیمت ہی کیا کم وجہ کشش تھا اور اگر طالب دین تھے جہاد کا ثواب

اور غازی بننے کی فضیلت کیا کم تھی۔ پھر نہ تو یہ تعجب خیز ہے کہ اتنی بڑی سلطنت یا اس بے پناہ دولت کے انتظام میں اختلاف رونما ہو نہ یہی اچنبھے کی بات ہے کہ انصار اور دیگر قبائل کے نوخیز نوجوان قریش کے نوجوانوں پر بازی لے جانے کے خواہاں ہوں۔ نہ یہ بات تعجب انگیز تھی کہ ان کے دلوں میں غیظ و غضب حزن و اندوہ کا طوفان برپا ہو جب وہ یہ دیکھتے ہوں کہ خلیفہ وقت ہماری ترقیوں کی راہ میں حائل ہیں وہ بڑے بڑے عہدے صرف قریش اور ان میں بھی خاص کر بنی امیہ کو دیتے ہیں۔

اس حقیقت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ حضرت عثمان نے سعد بن ابی وقاص کو معزول کر کے ولید اور سعید بن عاص کو کوفہ کا حاکم مقرر کیا، ابو موسیٰ اشعری کو معزول کر کے عبداللہ بن عامر کو گورنر بنایا۔ ملک شام پورا معاویہ کے حوالہ کر دیا اور تقریباً خود مختار سلطنت کی حیثیت دیدی۔ حالانکہ اسی شام میں کئی کئی عامل مقرر ہوا کرتے تھے جن میں کچھ قریش کے ہوتے، کچھ دوسرے قبائل کے۔ عمرو عاص کو معزول کر کے عبداللہ بن ابی سرح کو گورنر مقرر کیا۔ یہ سب جدید حکام و گورنران حضرت عثمان کے قریبی رشتہ دار تھے، کوئی مادری بھائی تو کوئی رضاعی بھائی۔ کوئی ماموں تھا تو کوئی چچا، کوئی دور کا رشتہ دار تھا یہ تمام حقائق ایسے ہیں کہ انکا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ہم یہ بھی نہیں جانتے کہ ابن سبا نے لوگوں

کو اس بہانے بھڑکایا ہو کہ انھوں نے فلاں کو معزول کیا۔ فلاں کو حاکم بنایا ہر زمانہ کا دستور رہا ہے کہ ملوک و سلاطین نے جب اپنے رشتہ داروں کو ترجیح دی اپنے عزیزوں کو کلیدی عہدے دئے تو رعایا میں شورش پیدا ہو گئی - احتجاج کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ حضرت عثمان کی مسلمان رعایا دنیا سے زالی نہ تھی پہلے زمانے کے لوگ جن باتوں کو پسند یا ناپسند کرتے آئے وہی انھوں نے بھی کیا۔ (الفتنۃ الکبرےٰ جلد اول عثمان صہ۱۳۳ تا ۱۴۴)

جارج جرداق | بیروت کا عیسائی محقق و ادیب جارج جرداق اپنی مشہور تالیف الامام علی جلد چہارم موسوم بہ علی و عصرہ میں سعید الافغانی مصنف عائشہ والسیاسہ (مطبوعہ مصر) پر تنقید کرتا ہوا لکھتا ہے:-

دنیا میں ایسے بھی مصنفین ہیں کہ انھیں نہ تو تاریخی حقائق کی پرواہ ہے اور نہ زندگی کے حالات اور ماحول کی فکر۔ حضرت عثمان کے خلاف مظلومین نے جو انقلابی کوشش کیں اسکے عجیب و غریب اسباب بیان کرتے ہیں اور اس زمانہ کے حادثوں کو ایک خاص شخص کی مرضی و ارادہ پر موقوف کرتے ہیں جس نے اطراف و اکناف مملکت کا دورہ کیا اور لوگوں کو حضرت عثمان اور اُن کی حکومت کے خلاف برانگیختہ کیا۔

ان انشا پردازوں کی توجیہات کوئی شک نہیں کہ آدمی کو ہنسنے پر مجبور کر دیں گے کیونکہ ان کی تحریروں کی غرض و غایت فقط یہ ہے کہ حضرت عثمان کے قتل کے واقعی ذمہ دار جو افراد تھے اُن سے بازپرس نہ ہو ورنہ پھر لوگ ان مصنفین کے ایمان ہی پر گرفت کرنے لگیں گے۔ یہ مصنفین بالکل ان لوگوں جیسے ہیں جو پانی کی دھار کو نیچے سے اوپر لیجانے کی کوشش کرتے ہیں یہ لوگ اپنے پڑھنے والوں کو بالکل غافل اور سادہ لوح سمجھتے ہیں، انھیں لوگوں میں کتاب عائشۃ والسیاستہ کے مؤلف سعید الافغانی بھی ہیں۔ ان بزرگ نے اپنی کتاب کے پڑھنے والوں کو یہ یقین دلانے کی پوری کوشش کی ہے کہ حضرت عثمان کے زمانۂ خلافت میں مملکت اسلامیہ کے جو انقلابات رونما ہوئے، حضرت عثمان کا قتل اور اُنکے قتل کے بعد جو اہم واقعات ہوئے وہ سب صرف ایک شخص عبداللہ بن سبا کے وجود اور اسکی حرکتوں کے سبب۔ اس قسم کے دعوے اور افترا و بہتان کا حاصل یہ مطلب یہ نکلتا ہے کہ حضرت عثمان اور اُنکے وزیر مروان کے زمانہ کی حکومت آئیڈیل اور مثالی حکومت تھی اور بنی اُمیہ اور اُن کے عمال و جاگیردار سرزمین عرب میں انسانی بھائی چارہ اور عدالت اجتماعی کے پیامبر تھے مگر کیا کیا جائے کہ ایک اکیلے شخص عبداللہ بن سبا نے بنی امیہ کے عمال اور جاگیرداروں کی تمام صلاحیتیں اور نیکیاں برباد کر دیں کیونکہ اس نے ہر ہر صوبہ و ضلع کا دورہ کرنا شروع کیا اور اس دورہ میں

حضرت عثمان کے خلاف ان کے امرا و عمال کے خلاف جو صالحین بھی تھے اور مصلحین بھی لوگوں کو برگشتہ کرنا شروع کیا اگر یہ ایک اکیلا شخص نہ ہوتا تو لوگ مرد ان کی نعمتوں، ولیہ کے انصاف۔ اور معاویہ کے حکم میں امن و چین اور خوشحالی و فارغ البالی کی زندگی بسر کرتے۔ اس قسم کا دعویٰ حقائق پر بہتان، حقائق پر ظلم۔ بعض نظریات کی بہت رکیک حمایت ہے۔ اسکے ساتھ ہی ان بنیادی حقائق سے جن پر تاریخ کی بنا ہے لوگوں کو گمراہ بنانا ہے۔ کیونکہ اس قسم کی ناکام کوشش کرنے والے کا مقصد محض یہ ہو کہ تاریخ نہ بلکہ بہت سے زمانوں کے تمام واقعات کی ذمہ داری ایک شخص کے سر ڈال دی جائے جس نے شہر شہر گھوم پھر کر لوگوں کو حکومت کے خلاف برانگیختہ کیا اور تمام رعایا حکومت کے خلاف صف بستہ ہو گئی کسی اور وجہ سے نہیں صرف اس وجہ سے کہ ایک اکیلا شخص ان کے ممالک میں گھومتا پھرا تھا۔ رہ گئی حکومت کی کیفیت، حاکم کی سیاست، اقتصادی و معاشرتی نظام کی ابتری، مقربین حکومت کی سرکشی، خزانے میں والیوں کی من مانی کارروائیاں بنی امیہ کا لوگوں کی گردنوں پر تسلط ڈیلو ایسی چھوڑ اور اکریسی پالیسی اختیار کرنا، عوام جن ہستیوں کو عزت و احترام کی نظروں سے دیکھتے ہوں جیسے ابوذر عمار یاسر وغیرہ ان کی ذلت و توہین ان باتوں کی کوئی اہمیت نہیں اور نہ یہ امور مؤلف کی نظر میں

انقلابی تحریک، اور اموی حکومت کے خلاف لوگوں کی بغاوت کا باعث ہوئے، بلکہ حضرت عثمان کے خلاف جو کچھ بھی شور و غوغا ہو وہ سب عبداللہ بن سبا کی وجہ سے ہوا جس نے لوگوں کو ائمہ کی اطاعت سے روکا اور انکے درمیان شر و فساد کا باعث ہوا۔

کتنی خطرناک ہے یہ ذہنیت کہ ایسے اہم واقعات جو مسلسل اور ایک دوسرے سے مربوط تھے اور جن کا اس وقت کی سوسائٹی سے گہرا تعلق تھا اور اقتصادی و معاشرتی نظام سے پوری وابستگی تھی کی توجیہہ و تعلیل یہ کی جائے کہ ان سارے واقعات کا اصلی سبب ایک اکیلے شخص کی سازشی کاروائیاں تھیں جسنے شہر شہر گھوم پھر کر پاکیزہ معاشرہ میں فتنہ و فساد کی تخم ریزی کی جیسا کہ سعید افغانی کہتے ہیں اور پاکیزہ معاشرہ سے انکی مراد مروان بن حکم کا معاشرہ ہے۔

دیکھئے یہ سعید افغانی مولف کتاب عائشہ والسیاسۃ عبداللہ بن سبا یا ابن السودا کو کتنی اہمیت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور لاشعوری طور پر کتنا معاویہ کو آسمان پر چڑھاتے اور ابوذر غفاری ایسی جلیل القدر شخصیت کو لوچ و لچر ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ معاویہ معاویہ تھے اور ابوذر ابوذر، لکھتے ہیں "عبداللہ بن سبا نے اسلامی ممالک کا دورہ کیا ایک ایک گوشہ میں گھوما پھرا اس نے اپنی گمراہیوں کی

اشاعت کی ابتدا سرزمین حجاز سے کی پھر شام کی طرف مڑا شام اس وقت ایک تجربہ کار اور دور اندیش آدمی کے ہاتھ میں تھا یعنی معاویہ بن ابی سفیان جنھوں نے اس کی خطرناکی کو فوراً ہی سمجھ لیا۔ اور اُسے نکال باہر کیا لیکن باوجود اُن کی انتہائی احتیاط کے اسکی مفسدہ پردازی کی کچھ چھینٹیں اُن پر پڑ ہی گئیں۔ ابن سبا نے اندازہ کیا اور تخم ریزی کی اور معاویہ کے خلاف ایک بزرگ صحابی کو برانگیختہ کردیا ایسا بزرگ صحابی جسکے منھ سے نکلی ہوئی بات پر شام والے یقین رکھتے تھے معاویہ جو بردبار بھی تھے اور ڈپلومیٹ بھی وہ بہت عاجز ہوگئے اور خلیفۂ وقت عثمان سے درخواست کی کہ اُنھیں شام سے نکال لیں۔ یہ بزرگ ابوذر صحابی ہیں اور اُن کا واقعہ مشہور ہے" (عائشہ والسیاستہ)

اس جملہ کا خلاصہ یوں کیا جا سکتا ہے کہ حضرت عثمان کے زمانۂ حکومت میں اسلامی سلطنت کے صوبے بڑی خوشحالی و فارغ البالی کے عالم میں تھے خصوصاً شام کا صوبہ اُس وقت ایک دور اندیش اور تجربہ کار یعنی معاویہ کے ہاتھ میں تھا اور جناب ابوذر جو بزرگترین مصلح تھے وہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھے اگر یہ ابن سبا انکے پاس نہ آتا اور اُنھیں بیدار نہ کرتا۔ پھر اس عبداللہ بن سبا نے ابوذر

ابوذر کو بیدار بھی کیا تو فتنہ و فساد پھیلانے گمراہ کرنے اور خرابیاں پیدا کرنے کے لیئے، کیونکہ عبداللہ بن سبا اس مؤلف کے خیال میں تمام فتنہ و فساد کی جڑ تھا اور اسلامی ممالک کے دورے سے اس کا مطلب ہی یہ تھا کہ فتنہ و فساد برپا کرے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ابوذر نے وہی کیا جو عبداللہ ابن سبا چاہتا تھا یعنی گمراہیوں کی اشاعت مسلمانوں کے درمیان فتنہ و فساد اور آنحضرت ائمہ کی اطاعت سے منحرف کرنا۔

ابوذر کے اقدامات (مؤلف مذکور کے خیال میں) اہل عرب اہل اسلام اور تاریخ کے لیئے خطرہ تھے کیونکہ اُنھوں نے فقراء کو اغنیا کے خلاف برانگیختہ کیا۔ اسی وجہ سے معاویہ بھی اُن سے تنگ ہوئے اور اُنھوں نے ابوذر کو شام سے نکال کر نے عربی مسلمانوں اور تاریخ پر رحم کیا۔

غور کیجئے کیا اس مؤلف سعید افغانی کی منطق، ان حاکموں کی منطق یاد نہیں دلاتی جو ہر حق کے طلبگار کو باغی، مفسد اور فتنہ انگیز قرار دیتے ہیں؟

کیا یہ بات آپکو دہشت میں نہیں ڈالتی کہ قدیمی مورخین کو فتنہ کے اسباب معلوم ہو جائیں لیکن آجکل کے مورخین کو معلوم نہ ہوں حالانکہ آج کل کے مورخین کے ذرائع معلومات کہیں زیادہ ہیں نسبت قدیمی مؤرخین کے ذرائع معلومات کے، عائشہ والسیاسۃ کے مؤلف حضرت عثمان

ہے کہ خلافت انقلابی تحریک کی نسبت عبداللہ بن سبا
کی سرگرمیوں کی طرف دیتے ہیں اور طبری اور اُن کے پہلے
اور بعد کے مؤرخین اس کی صحیح توجیہہ کرتے ہیں اور ایسے اسباب
کی طرف منسوب کرتے ہیں جو واقعی سمجھ میں آنے والے ہیں۔
علامۂ طبری نے جہاں اور بہت سے اسباب لکھے ہیں یہ
بھی لکھا ہے وہ لوگ جنھیں نہ تو اسلام میں سابقیت حاصل
تھی نہ اسلام میں اُن کا کوئی درجہ تھا ان لوگوں کے برابر
نہیں ہو سکتے جو سابقین اسلام تھے اور جنھیں بڑی اہمیت
و وجاہت حاصل تھی پھر یہی سابقین اسلام جو سوادِ اعظم تھے
داد و دہش کی مخالفت کرتے اور اسکو زیادتی قرار دیتے کیونکہ
خود اُن کا حصہ بہت کم ہو گیا تا نئے اسلام لانے والے بدو
عرب یا آزاد شدہ غلام جب اُن سے ملتے تو اُنکی باتیں اُنکے دل پر اثر
انداز ہوتیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ حضرت عثمان کے مخالفین
کی تعداد بڑھتی جاتی یعنی وہ لوگ جو حضرت عثمان کے مخالف
تھے وہ زیادہ تھے اور وہ لوگ جو حضرت عثمان سے راضی تھے
وہ کم تھے یہاں تک کہ فتنہ و فساد غالب آ گیا۔
یقیناً یہ بات حیرت انگیز ہے کہ سمجھنے سمجھنے میں اسی قسم
کی غلطی دوسرے معاصرین سے بھی ہوئی ہے جیسے احمد امین مصنف
فجر الاسلام وغیرہ، اُن کا خیال ہے کہ ابو ذر غفاری سیدھے

سا ٹھ آدمی تھے انھیں عبداللہ بن سبا نے اپنی طرف کھینچا اور مزدکی خیالات پر انھیں فریفتہ کیا تاکہ شہروں کی فضا خراب کرنے میں اس کے مددگار ہوں۔

اس سے بڑھ کر حیرت انگیز بات یہ ہے کہ مزدکی خیالات پر ابوذر کی فریفتگی کے ثبوت میں انھوں نے ابوذر کا یہ قول پیش کیا ہے جسے طبری نے نقل کیا ہے کہ ابوذر شام میں کھڑے ہوئے اور کہنے لگے "اے دولتمندو! فقراء کے ساتھ ہمدردی کرو جو لوگ سونا چاندی خزانہ میں جمع کرتے ہیں انھیں جہنم کی بشارت ہے" (فجر الاسلام صنا)

کون پوچھے احمد امین سے کہ دولتمندوں سے یہ مطالبہ کہ وہ فقیروں کے ساتھ ہمدردی سے پیش آئیں کیا صرف مزدکی نظریہ ہے؟ اور خالص اسلامی نظریہ نہیں؟ اور کیا ابوذر کے اس قول میں کہ "اے دولتمندو فقیروں کے ساتھ ہمدردی سے پیش آؤ" اور بشر الذین امنوا یکنزون الذھب والفضۃ میں جو قرآن کی آیت ہے گہری وابستگی نہیں؟ کیا ابوبکر و عمر بھی وہی نہیں کرتے تھے جو ابوذر کہتے تھے، یہ دونوں فقیروں کے ساتھ ہمدردی کرتے اور مالداروں سے سختی سے احتساب کرتے، ابوبکر و عمر کے لیے بھی احمد امین نے کیوں نہیں ابن سبا کے علاوہ کوئی دوسرا مزدکی ایجاد کر لیا کہ وہ کہہ سکتے کہ ابوبکر و عمر نے فلاں مزدکی کی شاگردی اختیار کی اور اسی سے مزدکی خیالات و نظریات حاصل کیے۔

دوسری جگہ احمد امین فجر الاسلام میں عبداللہ بن سبا کو بانی مذہب قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

"اسی شخص نے ابوذر غفاری کو اشتراکیت کی تبلیغ پر آمادہ کیا اور یہی سرغنہ ہے اُن بلوائیوں کا جو دیار و امصار سے حضرت عثمان پر یورش کر کے آئے، اسی ابن سبا نے چاہا کہ مسلمانوں کے دین کو فاسد کر دے، اس نے شہروں میں بہت سے مضر عقائد کی اشاعت کی۔ یہ ابن سبا بہت سے شہروں میں گھوما پھرا تھا حجاز میں بصرہ میں کوفہ میں شام اور مصر میں، لہٰذا قوی امکان ہے کہ اس نے عراق یا یمن کے مزدکیوں سے مزدکی نظریات و افکار حاصل کئے ہوں اور ابوذر نے بھی ان نظریات و افکار کو اچھا سمجھ کر اپنا لیا ہو"

کتنے غضب کی بات ہے کہ مؤلف فجر الاسلام خود اپنے دل سے یہ سوال نہیں کرتے کہ ابوذر کے اسلامی نظریات میں نئی کونسی بات رونما ہوئی؟ کیا خود اسلام کی تعلیمات سے یہ بات نہیں کہ اغنیاء پر فقراء کے حقوق ہیں اور تمام مسلمان برابر ہیں اور سونا چاندی جمع کرنے والوں کی پیشانی، پہلو اور پیٹھ جہنم میں اسی سونے چاندی سے داغے جائیں گے جیسا کہ قرآن کی آیت کہتی ہے۔ تو ان نظریات و خیالات میں جنکے ابوذر حامل تھے اور جنکی تبلیغ کرتے تھے آخر وہ کونسے نئے مزدکی خیالات ہیں؟ ابوذر کا ٹکراؤ تو محض اُن

لوگوں سے تھا جن سے خود اسلام نے جنگ کی اور جنہیں نار جہنم کی دھمکی دی تھی۔

پھر ابوذر ایسے بزرگ انسان جو پانچویں مسلمان تھے، پیغمبر کے جلیل القدر صحابی، ابوبکر و عمر کے رفیق۔ شیعیان علیؑ کے سرگروہ کیا خود نہیں سمجھ سکتے تھے کہ مال تمام مسلمانوں کا حق ہے، ہر ایک کو اس سے جینا ہے، ایک دو شخص کا حق نہیں کہ وہ اُسے خزانوں میں جمع کر کے رکھیں؟۔ پھر کیا ابو ذر ایسے آدمی یہ سمجھتے نہ تھے کہ وہ مال جو تمام مسلمانوں کا مال ہے حضرت عثمان کے عہد میں اسے گنتی کے چند آدمیوں نے اپنا خاص حق بنالیا ہے، ظلم و جبر کی حکمرانی ہے، اسلام کی تعلیمات اس کے خلاف ہیں لہٰذا مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ اسکے خلاف قدم اُٹھائیں۔

سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ کیا ابوذر اسکے محتاج تھے کہ عبداللہ بن سبا اُن کو بتلائے کہ عثمان اپنے اعزا اور انصار کو حکومت میں عہدہ و مناصب میں، مال و دولت میں ترجیح دے کر قیصر و کسریٰ کے راستہ پر چلنے لگے ہیں اور اسکے بتانے سے ان کی سمجھ میں آیا کہ حکام گمراہ ہو گئے ہیں اور مسلمانوں کو پتہ چلا کہ ہم محروم رہے گھاٹے میں رہے جسکے نتیجہ میں ابوذر غفاری بھی برہم ہوئے اور اُنکے ساتھ دوسرے لوگ بھی برہم ہوئے۔

ان مؤلفین نے عبداللہ بن سبا اور مزدک کو تو سمجھ لیا لیکن

ابوذر اور اسلام کو سمجھ نہیں پائے، انھیں ابن سبا کی باغیانہ تحریک اور خلیفہ کے خلاف لوگوں کو اُبھارنا تو بولنا کہ معلوم ہوا لیکن حضرت عثمان کے وہ افعال و حرکات ہولناک معلوم نہ ہوئے جس پر مسلمان اُن سے ناراض ہوئے، جن حرکات پر ہر زمانہ میں ہر حاکم پر ہر قوم ناراض ہوتی ہے، یعنی گنتی کے لوگوں کو اکثریت پر ترجیح دینا اور ان گنتی کے لوگوں کا حاکم کی مدد اور بلائے سے ہر چیز پر مسلط ہو جانا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ دور دراز کے خشک چشموں سے پانی کا سوال کرتے ہیں اور قریب کے سمندر سے سوال نہیں کرتے "۔

جارج جرداق الامام جلد چہارم "علی وعصرہ"

مطبوعہ بیروت

استاذ عبد الفتاح عبد المقصود۔

مصر کے مشہور ادیب مؤرخ جن کی تالیف الامام علی ابن ابی طالب کی پانچ جلدیں ہمہ گیر شہرت و مقبولیت حاصل کر چکی ہیں اور جنکی، اس کتاب سے عالم اسلامی کے ہر مصنف نے استفادہ کیا ہے مالک اشتر کے متعلق لکھتے ہیں :-

"حقیقت یہ ہے کہ ابن سبا کی سازش میں مالک اشتر کی شرکت سب سے بڑا جھوٹ ہے، اس کا ثبوت خود مالک اشتر کا کردار ہے اور امیر المومنینؑ کی سیرت ہے، اشتر قطعی طور پر عثمان کے قتل میں

شریک نہ تھے، نہ اُن کے دامن پر خون عثمان کی ایک بھی چھینٹ ہے، اشتر بس اُن لوگوں میں سے تھے جو حضرت عثمان کی بے جو اور ان کے مقرر کردہ گورنروں کے مظالم کے شاکی تھے جسطرح ہر شہر اور ہر صوبہ کے باشندے اپنے یہاں کے گورنر کی زیادتیوں پر ناراض تھے اسی طرح اشتر بھی اپنے شہر کے گورنر سعید ابن عاص کے مظالم سے تنگ تھے، جسطرح دیگر شہروں کے مظلوم مسلمان فریاد لیکر بارگاہ خلافت میں پہونچے اسی طرح یہ بھی۔ یہ اشتر ایسے انسان نہ تھے جس کا ظاہر کچھ ہو اور باطن کچھ اور جو سازشی کارروائیوں کا ماہر ہو۔ یہ تو بہادر جو انمرد تھے جو دل میں ہوتا علانیہ کہتے چھپاتے نہیں، چاہے علانیہ اظہار میں اُن کو نقصان ہی کیوں نہ پہونچتا ہو اور خلیفۂ وقت عثمان، اور اُن کے حاشیہ نشینوں کے غیظ و غضب کا نشانہ ہی کیوں نہ بن گئے ہوں۔

اُنھوں نے اپنے ایک خصوصی خط میں حضرت عثمان کے انتظام مملکت کی کتنی کھری تنقید اور ان کی سیاست پر کسطرح کھل کر اعتراضات کئے ہیں۔ حضرت عثمان نے مالک اشتر اور اُنکے رفقا کے نام ایک خط لکھا جس میں انھیں فرمانبرداری کی تلقین کی تھی اور خدا سے ڈرایا تھا اور لکھا تھا کہ تم ہی لوگوں نے افتراق و اختلاف کی ابتداء کی ہے اس کے جواب میں مالک اشتر نے لکھا۔

مالک حارث کی طرف سے اس خلیفہ کی طرف جو سرگشتہ، خاطی، سنت پیغمبر سے کنارہ کش اور احکام قرآنی کو پس پشت ڈالنے والے ہیں، آپکا خط ہم نے پڑھا، آپ اپنے نفس کو، اپنے عاملوں کو ظلم و سرکشی اور نیکوکار مومنین کو شہر بدر کرنے سے روک لیں ہمیں آپکی اطاعت کرنے میں کوئی عذر نہ ہوگا، آپنے کہا کہ ہم نے اپنے نفس پر ظلم کیا آپکی انھیں بدگمانیوں نے آپ کو تباہ و برباد کیا آپ جو ظلم و جور کو عدل اور باطل کو حق سمجھتے ہیں، رہ گیا یہ کہ ہم آپ سے محبت کریں تو اگر اپنی حرکتوں سے باز آئیں توبہ کریں اور ہمارے نیکوکار افراد پر جو ظلم ڈھائے ہیں ہمارے صالحین کو جو شہر بدر کیا ہے اور ہمیں ہمارے گھروں سے نکال باہر کیا ہے چھوکروں کو ہم پر حاکم مقرر کیا ہے، ان امور کے متعلق اگر خدا سے استغفار کریں اور ہمارے شہر جنھیں ہم چاہتے ہیں حاکم مقرر کر دیں تو ہم انکے لیے بھی تیار ہیں، آپ نے سعید و ولید اور اپنے حمایتیوں کو ہم سے دور ہی رکھئے۔

(کتاب الانساب بلاذری جلد ۵ ص۴۲)

اب کسی کی سمجھ میں یہ بات آسکتی ہے کہ کہاں تو مالک اشتر حضرت عثمان کے خلاف دل میں غداری چھپائے اور انکی ہلاکت کے لیے سازشیں کرتے پھرتے تھے، اور کہاں ان کو اتنی سچی اور خلوص بھری نصیحت کہ اگر حضرت عثمان ان کی نصیحت قبول کر لیتے تو عظمت اور بڑھ جاتی اور ان کے حالات اور سنور جاتے اور

وہ لوگوں کی نظروں میں پسندیدہ اور محبوب بن جاتے ایک شخص جو اپنے دشمن پر بھرپور وار کرنے کا تہیہ کئے ہوتا ہے وہ اپنے منصوبوں کو چھپاتا اور دشمن کو زیادہ ڈھیل دیئے ہوتا ہے ؟ یا برعکس اس کے نصیحت اور خیر خواہی کرتا ہے ، مالک اشتر اس قسم کے آدمی نہ تھے ، ان کی تو خواہش محض یہ تھی کہ خلیفۂ وقت ٹھیک ہو جائیں تو رعیت بھی ٹھیک ہو جائے اسکے بعد جب ہم ان اسباب کی چھان بین کرتے ہیں جن کے تحت اشتر عثمان کے مخالف ہوئے اور رفتہ رفتہ ہوئے دشمن بن گئے تو ہم دیکھتے ہیں کہ اُن کی مخالفت محض اپنے وطن کی محبت کی بنا پر تھی ، وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ موجودہ گورنر کو ہٹا کر دوسرا گورنر بھیجدیا جائے جو کوفہ کے انتظامات کو بہتر طریقہ سے کر سکے حضرت عثمان نے آخر میں اس درخواست کو منظور بھی کرلیا اور سعید کو ہٹا کر ابو موسیٰ کو گورنر مقرر کر دیا تھا - اب اس ردوبدل کے بعد مخالفت کی کوئی وجہ ہی باقی نہ رہ گئی تھی چہ جائیکہ وہ غداری اور سازشیں کرتے پھرتے ، حضرت عثمان اور مالک اشتر میں صلح وصفائی ہونے کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ حضرت عثمان کے حالات جب بہت پیچیدہ ہو گئے اور محاصرہ سخت ہو گیا تو انھوں نے مالک اشتر کو بلا کر مشورہ طلب کیا - کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے اور یہ بلا ہم سے کیسے دور ہو بلوائی کیسے یہاں سے ہٹیں -

حضرت عثمان نے پوچھا آخر یہ لوگ ہم سے کیا چاہتے ہیں؟
اشتر نے صاف صاف کہا تین باتوں میں سے کوئی ایک بات آپ کو کرنا ہی پڑے گی۔

حضرت عثمان نے پوچھا وہ باتیں کیا ہیں؟

"یہ بلوائی کہتے ہیں کہ یا تو آپ خلافت سے دستبردار ہو جائیے خلافت کا مسئلہ مسلمانوں پر چھوڑ دیجئے وہ جسے چاہیں خلیفہ بنا لیں یا اُن پر جو زیادتیاں ہوئی ہیں اُن کا بدلہ چکائیے اگر ان دونوں باتوں سے آپ نے انکار کیا تو وہ لوگ آپ سے جنگ کریں گے۔

حضرت عثمان نے پوچھا کیا ان تین باتوں میں سے ایک نہ ایک ماننی ہی پڑے گی۔

اشتر نے کہا ہاں کوئی ایک تو بہرحال ماننی پڑے گی۔

لہٰذا اگر عثمان مالک اشتر سے بدظن ہوتے تو کبھی مشورہ ہی نہ لیتے نیز مشورہ دینے والے یعنی اشتر اگر دلمیں غداری چھپائے ہوتے تو کبھی بلوائیوں کی صحیح کیفیت اُن سے نہ بیان کرتے بلکہ ان کے منصوبوں کو اُن سے چھپاتے اور حتی الامکان دھوکے میں رکھتے۔ حقیقت یہ ہے کہ مالک اشتر متقی و پرہیزگار و امین و دیانت دار انسان تھے اور حضرت عثمان کی مخالفت سے غرض محض خدا کی خوشنودی، حضرت عثمان کی بھلائی اور

مسلمانوں کی بہبود تھی، اور یہی ان کے کردار اور سیرت کے
شایاں بھی تھا، اور امیر المومنین ؑ نے ان پر جو اتنا گہرا
اطمینان کیا تو وہ بھی انکی بلندیٔ کردار اور پاکیزگیٔ سیرت
کی وجہ سے حضرت کی فراست لوگوں کی نفسیات اور طبائع کو
بہت اچھی طرح سمجھتی تھی حضرت امیر المومنین جو حضرت
محمد مصطفےٰ کے مقرب بارگاہ اور سب سے بڑھ کر انکے چہیتے تھے جو حضرت محمد مصطفےٰ
کے بعد خصائل و عادات کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر پاکیزہ طاہر و مطہر تھے کیا
انکے متعلق کیونکر وہم و گمان بھی ہو سکتا ہے کہ وہ ایک غلط شخص کو اپنا مقرب بارگاہ بنا لیں اور
سب سے بڑھ کر اپنا مخلص سمجھیں۔ مالک اشتر کی شہادت کی خبر سن کر
حضرت امیر المومنین ؑ نے ان کے متعلق کہا تھا۔ کان الاشتر
لی کما کنت لرسول اللہ "اشتر میرے لئے ایسے ہی تھے
جیسا میں رسول اللہ کے لئے تھا۔"

اصل بات یہ ہے کہ جتنی روایتیں مالک اشتر کے دامن
کو داغدار بناتی ہیں وہ سب وہم کی پیداوار ہیں، یا پھر ایسے
نفس کی تخلیق جو افترا و بہتان کی دلدادہ اور سپید جھوٹ کی
عادی ہیں اور ان تمام روایتوں کی غرض و غایت یہ ہے کہ
اشتر کی جو قدر و منزلت تھی وہ گھٹ جائے، بنی امیہ کی
فطرت سے یہ چیز کوئی بعید بھی نہیں۔"

(الامام علی ابن ابی طالب جلد سوم مطبوعہ مصر)

ڈاکٹر علی الوردی

بغداد یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر علی الوردی اپنی کتاب میں ابن سبا کی داستان وضع کرنے کا پہلا نتیجہ اس طرح بیان کرتے ہیں۔ "ایک روز میں نے سنا کہ ایک عیسائی مبلغ اسلام کا مضحکہ اُڑا رہا تھا اور کہتا تھا کہ اس دین کو ملاحظہ کرو جو اپنی فتح و فیروزی اور ترقی کے دور میں آسانی کے ساتھ ایک ایسے اجنبی انسان کا شکار بن جاتا ہے کہ تاریخ کو بھی چنداں اس کی خبر نہیں۔ اور جب اصحاب رسول عالم اسلامی پر تسلط رکھتے تھے اور اس میں اپنے پیغمبرؐ کی تعلیمات کی اشاعت کر رہے تھے ہم دیکھتے ہیں کہ اُسی وقت ایک یہودی شخص بغیر بلائے اُس مجمع میں وارد ہوتا ہے اور بغیر اسکے کہ اُسکو نکالنے یا فنا کرنے کیلئے کوئی شخص ہاتھ اُٹھائے وہ اس جماعت کو پریشان اور درہم و برہم کر دیتا ہے (کتاب وعاظ السلاطین ترجمہ فارسی ص۱۱۲)

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ :۔

"کیا ابن سبا اپنا کوئی وجود بھی رکھتا تھا یا محض خیالی تھا؟ یہ سوال اس شخص کے لیے بہت اہمیت رکھتا ہے جو تاریخ اسلام کا مطالعہ اور اس کے معاملات سے عبرت حاصل کرنا چاہتا ہو۔ یہ سوال دوسرے لفظوں میں یوں کیا جا سکتا ہے "کیا اسلام کا عالم اجتماعی اس روز ایک ایسی ہستی کا محتاج تھا جو بغاوت

اور شورش کے لیے اس کا محرک ہو؟ معلوم ہوتا ہے کہ جن مؤرخین نے ابن سبا کا قصہ نقل کیا ہے وہ یہ سمجھتے تھے کہ اُس وقت اسلام کی اجتماعی دنیا سکون و اطمینان اور خوش وقتی کی زندگی بسر کرتی تھی اور کوئی ایسا موضوع نہیں تھا جو اس کے قلق و اضطراب و ناخوشی کا باعث ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ مورخین اُسی قسم کے لوگ ہیں جو اپنے خیالات میں ارسطو کی قدیم منطق کے پیرو ہیں کیونکہ جب کبھی اُنھوں نے کوئی اجتماعی تحریک دیکھی تو متعجب ہو کر اس کا سبب دریافت کرنے لگے گویا اُن کی نظر میں اجتماعی تحریک قدامے اور ضرورت سے الگ چیز ہے۔ جدید اجتماعی فلسفہ اس بات کا معتقد ہے کہ ہیئت اجتماعی فطری جنبش کی مالک ہوتی ہے اور ہمیشہ حرکت اور تغیر میں رہتی ہے اس صورت حال کو علمی اصطلاح میں PS OCPSS کہتے ہیں۔ اور جدید منطق جب کبھی اجتماعی حلقے کو متحرک دیکھتی ہے تو متعجب نہیں ہوتی بلکہ اگر اس کو ساکت و بے حرکت پاتی ہے تو اس وقت تحقیق و تعجب کی طرف مائل ہوتی ہے، لہٰذا اس کی نگاہ میں سکون ہی خلاف عادت ہوتا ہے۔

اس وقت اسلام کی اجتماعی دنیا ایک بہت بڑی اجتماعی مشکل میں گرفتار تھی، دولت مند اور فقیر کی زندگی کا درمیانی فاصلہ بڑھتے بڑھتے باعث نفرت بن چکا تھا اور شورش حتمی نظر آنے لگی

تھی، ہم کو اس مظاہرہ کا سبب بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ احتیاج یہ ہے کہ اگر شورش اور فتنہ ظاہر نہ ہوتا تب ہم اس کی علت کو تلاش کرتے ، ابن سبا کے متعلق کہتے ہیں کہ شورش کا محرک تھا جیسا کہ ڈاکٹر طٰہٰ حسین نے کہا ہے ایک موہوم شخصیت تھی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ عجیب شخصیت عمداً بنائی گئی ہے اور انھیں دولتمندوں کی پیدا کی ہوئی ہے جن کے خلاف شورش برپا ہوئی تھی یہ اونچے اور خوشحال طبقات کی عادتوں میں سے ہے جو سارے تاریخی مراحل میں انقلاب پسند افراد کے لیے یہی وطیرہ اختیار کرتے رہے ہیں۔

ہر اجتماعی تحریک کو اس کے دشمن اجنبی اشخاص کی تاثیر و تحریک سے نسبت دیتے اور پروفیسر "سل" نے جو علم الاجتماع کے مشہور محققین میں سے ہے اپنی عجیب و غریب تحقیقات میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قریش نے ابتدائے تبلیغ اسلام میں خود پیغمبرؐ پر اتہام لگایا تھا کہ اپنی تعلیمات کو ایک مسیحی غلام موسوم "بہ جبر" سے حاصل کرتے ہیں اور جو کچھ سیکھتے ہیں اسی کی تعلیم کے بموجب ہے (کتاب "زندگانی محمد" مؤلفہ محمد حسین ہیکل ص ۱۳٦ عربی)۔

اس کے بعد بعض آنحضرتؐ پر یہ الزام لگایا کہ آپ اپنے خیالات "بحیرا" راہب اور سلمان فارسی اور نہ دوسرے لوگوں سے

حاصل کرتے ہیں۔ ("شخصیات قلقۃ فی الاسلام" مؤلفہ عبدالرحمن بدوی ص۳۲)

جاننا چاہیئے کہ دولت مند اور آرام طلب لوگ ہر نئے مقصد کو ایک غیر شخص کی حرکت سے منسوب کرتے ہیں اور جیسا کہ پروفیسر "دسمل" کہتا ہے "یہ اتہامات تاریخ کے مختلف مراحل میں دیکھے گئے ہیں" (کتاب "نقش وعاظ در اسلام" ص۱۱۴ و ص۱۱۵)

ڈاکٹر وردی پھر لکھتے ہیں کہ "مورخین نے تحریک فتنہ کے سبب خاص کو عبداللہ ابن سبا یعنی اُس بن بلائے ہوئے یہودی کی طرف نسبت دی ہے جو اسلام کو نقصان پہونچانے کے لیے اس میں داخل ہوا تھا۔

بظاہر زمانہ عثمان کے بڑے بڑے دولت مند اور حکام اُس ناراضگی اور اُن شکایات سے متوحش اور خوف زدہ تھے جو ان کی بے حساب دولتوں سے لوگ رکھتے تھے لہٰذا اس ناخوشی اور شکایتوں کی نسبت ایک ناخواندہ مہمان یہودی کی طرف دی جو اس لیئے وارد ہوا تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کے حق میں دشمنی کی حرکتیں کرے، گویا یہ لوگ چاہتے تھے کہ اس بیان سے اپنے خلاف ہنگامے اور شورش کی اصلی وجہ کو چھپادیں۔

جو بڑے بڑے کارنامے عبداللہ ابن سبا کے سر منڈھے جاتے ہیں وہ سوا ایک غیر معمولی اور فوق العادت انسان کا

جادوگر یا ایسے شخص کے جو لوگوں پر عمل تنویم کرے (ماہر مانیٹزم و ہینپاٹزم رکھتا ہو) دوسرا انجام نہیں دے سکتا، لہٰذا لامحالہ ابن سبا ایسی مقناطیسی قوت سے بھری ہوئی آنکھیں رکھتا تھا جو پتھروں کو ریزہ ریزہ کر دیتی تھیں یا اس کے اندر ایک ایسی مافوق العادت روحانی طاقت موجود تھی کہ لوگ اس کے سامنے آتے ہی بھیڑوں کی طرح مطیع و فرمانبردار بن جاتے تھے اور بغیر اس کے کہ ان کو کوئی احساس ہو اسکی بات انکے اندر اتر کر جاتی تھی، اگر زمانہ عثمان میں کوئی ایسا فوق العادت انسان ظاہر ہوا ہوتا تو قطعی طور پر جس طریقہ سے ممکن ہوتا اس کے اوصاف اور علامتیں ہم تک پہونچ کے رہتیں لیکن تعجب خیز بات یہ ہے کہ خاص خاص مصادر میں جو عثمان کی مخالفت کے موضوع کو نقل کرتے ہیں کوئی ذکر ابن سبا کا نہیں آیا ہے۔

میں نے تاریخ میں کوئی ایسی فرضی داستان اور کوئی ایسا افسانہ نہیں دیکھا، جو اس بے اصل قصہ کی طرح باقی رہا ہو۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ابن سبا سارے دنیا والوں کے گناہ اپنے کندھوں پر لادے ہوئے ہے، اگر ابن سبا سچ مچ کوئی شخص ہوتا تو ان اتہامات سے جو بغیر اس کی مداخلت کے اس پر عائد ہو گئے بہت روتا اور اور شکایت کرتا (ص ۱۳۱ و ۱۳۲ کتاب ڈاکٹر وردی) ڈاکٹر وردی اپنی کتاب کی فصل پنجم کے آخر میں جو

نتیجہ اخذ کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ "عبداللہ ابن سبا ہر جگہ اور ہر وقت پایا جاتا ہے اور ہر تازہ اقدام کے پیچھے ایک ابن سبا کا موجود ہونا ممکن ہے اگر وہ مفید مطلب ثابت ہوا تو ابن سبا اس کی تاریخ سے روپوش ہو جاتا ہے اور وہ ایک مقدس کام شمار کیا جاتا ہے لیکن اگر اس تحریک کا نتیجہ کامرانی کی صورت میں برآمد نہ ہوا اور اس پر شکست کا اطلاق ہوا تو یہی وہ وقت ہوتا ہے کہ بلا ابن سبا کے سر پر نازل ہوتی ہے اور وہ ہر طرف سے تھپڑ اور طمانچے کھاتا ہے۔

ابن سبا کسی حال میں خاموش نہیں ہے، وہ کوشش میں لگا ہوا ہے اور مواقع سے فائدہ اٹھاتا ہے بلکہ جب تک ظلم و ستم کا وجود ہے ممکن ہے کہ ہر شخص ابن سبا بن جائے معاذ اللہ" (کتاب "نقش وعاظ در اسلام" مؤلفہ ڈاکٹر علی الوردی ترجمہ فارسی "وعاظ السلاطین" بقلم محمد علی خلیلی ص۱۳۷۔)

استاذ عبداللہ السبیتی

استاذ عبداللہ السبیتی جو عراق کے شیعہ علماء میں سے ہیں اور بکثرت بیش بہا تالیفات کے مالک ہیں جیسے "تحت رایۃ الحق" و "المباہلہ" و "حجۃ الوداع" و "سلمان فارسی" و "ابوذر الغفاری" و "عمار یاسر" و "حجر بن عدی الکندی" وغیرہ نے ایک مصری عالم موسوم بہ "سعد محمد حسن" کی کتاب "المہدیۃ فی الاسلام"

کے جواب میں ایک ضخیم کتاب لکھی ہے اور یہ کتاب ہر جہت سے بیش قیمت اور قابل توجہ ہے۔ ان تمام مسائل میں سے جنکی آڑ لے کر "سعد محمد حسن" نے فرقہ شیعہ پر حملے کئے ہیں یہ داستان بھی ہے جو ہماری بحث کا موضوع ہے۔ "عبداللہ السبیتی" نے بھی اپنی کتاب میں اسکا مفصل جواب دیا ہے اور اس افسانے کی رد میں بکثرت تاریخی اور تحقیقی دلائل پیش کئے ہیں۔

استاد "سبیتی" اس بارے میں اپنی بحث اس طرح شروع کرتے ہیں کہ "یقین کرو فرقہ سبائیہ کا کسی زمانے اور کسی دور میں سوا دشمنان شیعہ کے وہم و خیال کے ظاہری دنیا میں کوئی وجود نہیں تھا۔ یہ ان بیہودوں میں سے ہے جو دشمن تشیع افراد کے ذریعہ شیعیت کی تاریخ پر چپکائے گئے ہیں

یقین کرو کہ فرقہ سبائیہ ایک عجیب و غریب مخلوق اور مصنوع ہے کہ اگر کوئی شخص اس کی ترکیب پر غور کرے تو اس کے وجود کو قبول نہیں کرے گا۔ حق کی پردہ پوشی اور تہمت تراشی ہی تنہا ایک وسیلہ تھا کہ اس زمانے کی سیاستیں دشمن کو کچلنے کے لئے اس سے فائدہ اٹھاتی تھیں اور یہی سیاست اس کا باعث ہوئی کہ شیعہ اور تشیع کے لئے سبائیہ اور ابن سبا کو گڑھ کر تیار کریں۔ واقعی یہ ایک عجیب مضحکہ خیز مسئلہ ہے کہ "ابن سبا" اور سبائیہ فرقہ، عثمان کے عہد میں پیدا ہوا اور تھوڑی

ہی مدت میں اس پر قادر ہو گیا کہ خلیفۃ المسلمین (عثمان) کو
قتل کر دے اور ایک عظیم اختلاف مسلمانوں کے درمیان پیدا
کر دے جس کا اثر ہر زمانہ اور نسل میں باقی ہے ابن سبا نے پاگل
بنا دینے والی سرعت کے ساتھ نہ تنہا قدرت و عزت کے
میدان میں یہودیت کے پراسرار اور سحر آمیز خنجر سے اسلام کو گھائل
کر دیا۔ اور کلی طور پر دین اور حقائق کو لوگوں سے سلب کر لیا لیکن
مجھ کو تعجب ہے، کہ ابن سبا یہودی جو بن گورین سے زیادہ سیاسی
تھا، "فلسطین" کی طرف آخر کس لئے متوجہ نہیں ہوا جو عرف
عام میں یہودیوں کا قومی وطن ہے؟ اور در آنحالیکہ یہودی
روز اول سے فلسطین اور "سرزمین موعود" کے لئے روتے رہے ہیں
یا سیاسی اغراض نے سحر و افسوں کے خیالات و اوہام سے
وہ عبداللہ ابن سبا نام کے ساتھ ایک جادوگر انسان کو
جنم دیا اور اس کے لئے ایک عنوان بھی معین کیا جو تخریب
اسلام کا عنوان تھا۔ اب سارا سوال کہ جذبہ باطل کوشی نے
یہ داستان کس مقصد سے وضع اور تصنیف کی؟ تو اس کا جواب
اس طرح دینا چاہئے کہ جاہلانہ تعصب کا حساب منطقی سوال و جواب
کے میزان میں صحیح نہیں اترتا۔ حقیقت یہ ہے کہ موضوع خلافت
پر پیدا ہونے والے اختلاف سے ابن سبا اور فرقہ
سبائیہ کی تخلیق کی تاکہ ہر مخالف کو ابن سبا کی پیروی

کے نام پر فنا اور نیست و نابود کیا جا سکے۔ (استاد عبداللہ السبیتی کی تائید میں ہمارے پاس کافی شواہد موجود ہیں اور جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں۔ "ابوذر غفاری جیسے جلیل القدر صحابی اور عمار یاسر تک کو بھی عبداللہ ابن سبا کی شرکت کار کا اتہام لگا دیا گیا اور ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی تحریر سے ظاہر ہوتا ہے کہ مالک اشتر بھی ابن سبا کی پیروی سے متہم ہیں۔ (کتاب علی و فرزندانش صفحہ ۱۱)

زیاد ابن ابیہ نے مشہور صحابی حجر بن عدی الکندی کو انکے اصحاب کے ساتھ گرفتار کرنے کے بعد بصرے سے جو خط معاویہ کو بھیجا اس میں لکھا ہے

"سیاسی گروہ میں سے چند سرکشوں نے جن کے سردار حجر ابن عدی ہیں امیر المومنین معاویہ کی مخالفت اختیار کی اور خدا نے مجھ کو ان پر مسلط کر دیا۔" (کتاب حجر بن عدی مؤلفہ آقائی کمرہ ای مطبوعہ طہران صفحہ ۶۶ و ۶۷)

بہر حال کوئی انصاف پر چلنے والا انسان جس وقت ابن سبا کے متعلق بیانات پڑھتا ہے تو یقین نہیں کر سکتا کہ کوئی ابن سبا کام کر رہا تھا۔ سچی بات یہ ہے کہ ابن سبا آخر کس طرح سے اس قدر قدرت اور قابو کا مالک بن سکا کہ جو عثمان اور انکے با اثر گورنروں اور سرداروں کی زیر نگرانی رہے اور پھر نتیجے میں اس زمانہ کی مسلمان جماعت پر مسلط بھی ہو جائے؟

یہ ابن سبا کون ہے کہ مسلمانوں کے تمام شہروں کے طول و عرض میں دورہ کرکے تبلیغ کرتا ہے لیکن امویوں کی تلواریں اس کے جواب میں نہیں اٹھتیں؟ اور کم از کم عثمانی حکام میں سے کسی کا ہاتھ نہیں بڑھتا کہ اس کو اسیر یا جلاوطن کرے؟ اس سے قطع نظر ابن سبا کے پیرو کون لوگ تھے؟ حضرت علیؑ کے شیعہ تو سوا رسول اللہؐ کے خاص اصحاب کے اور تھے نہیں لہٰذا اگر کوئی ابن سبا موجود تھا تو اس کے پیرو بھی یقیناً سُنّی تھے۔ یہ ابن سبا ہوئی باوجودیکہ اتنی بڑی شان و شوکت اور سیاست کا مالک تھا اصولاً اموی تاریخ کے اندر اس کا کوئی تذکرہ کیوں نہیں؟ اس کا انجام کیا ہوا۔ اور اس کے متبعین کیا ہوئے، یہ وہ سوالات ہیں جو ایک منصف مزاج اور غیر جانبدار انسان کو اپنے دل و دماغ سے کرنا چاہیے، لیکن جواب سے کبھی محروم رہنا چاہیئے۔

شیعہ نقطۂ نظر سے

عبداللہ ابن سبا کا اس ظاہری دنیا میں وجود رہا ہو یا جیسا ہم ثابت کریں گے، سوا عالم خیال اور افسانہ تراشی کے اسکی کوئی اصلیت نہ ہو۔ بہرحال فرقہ شیعہ اور مذہب شیعہ سے اس کو منسوب کرنا بڑا تاریخی گناہ ہے لیکن اگر ہم فرض کرلیں کہ ابن سبا اور فرقہ سبائیہ دنیا میں موجود تھا تو پوری وضاحت کے ساتھ یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ فرقہ شیعہ اور عالم تشیع

ان مخالف اسلام خیالات سے مکمل طور پر بیزار ہے جو اُس کی طرف منسوب ہیں وہ سارے غلو آمیز عقائد جن کی نسبت کبھی شیعوں کی طرف دیتے ہیں وہ ابن سبا اور اُس کے اصحاب سے مخصوص ہیں اور شیعہ و تشیع سے اُن کو کسی طرح کا تعلق نہیں ہے۔ مرحوم آیۃ اللہ شیخ محمد حسین کاشف الغطا اس بارے میں لکھتے ہیں کہ :-

"لیکن عبداللہ ابن سبا جس کو شیعوں سے اور شیعوں کو اس سے چسپاں کرتے ہیں مذہب شیعہ کی ساری موجودہ کتابیں شہادت دیتی ہیں کہ شیعوں نے بالعموم اس پر لعنت کی ہے اور اُس سے بیزاری اختیار کی ہے اور کتب رجال شیعہ از قبیل رجال "ابی علی" وغیرہ میں اسکا حال بیان کرتے ہوئے حرف "ع" کے ذکر میں کم سے کم جو عبارت لکھی ہے وہ یہ ہو کہ "ان عبد اللہ العن من ان یذکر" یعنی عبد اللہ ابن سبا جس قدر کہا جا سکے اس سے زیادہ ملعون ہے۔ (کتاب اصل الشیعہ و اصولہا" مؤلفہ آیۃ اللہ کاشف الغطا طبع ہشتم عربی نجف اشرف ۹۵ طبع دوم فارسی طہران)

جیسا کہ انھوں نے لکھا ہے علمائے شیعہ بشرطیکہ اُس کا وجود رہا ہو اُس کو اپنے سے الگ قرار دیتے ہیں۔ مثلاً علامہ حلی اُس کے بارے میں لکھتے ہیں:

"عبداللہ ابن سبا غالی اور ملعون ہے اور امیر المومنین ؑ نے اُسکو آگ میں جلوا دیا۔ اُس کا عقیدہ یہ تھا کہ علی ؑ خدا ہیں یا پیغمبر ہیں۔ ...... خدا اُس پر لعنت کرے۔" (کتاب تاریخ الشیعہ" مؤلفہ محمد اکبر)

حسین علی محفوظ ص ۳۹ و ۴۰)۔

اور یہی عبارت "کتاب جامع الرواۃ" مؤلفہ محمد بن علی الاردبیلی الغروی جلد اول طبع اول ص ۴۸۵ اور دوسری کتابوں میں بھی ابن سبا کے سلسلے میں لکھی ہے۔

ہر صدی اور ہر زمانے کے علمائے شیعہ کے علاوہ جیسا کہ کتابوں میں بھی لکھا ہے یہ غلو آمیز خیالات حضرت علیؑ کے عہد اور طبقہ اول اور زمانہ مابعد کے شیعوں کے دور میں مکمل طور پر مردود تھے۔ یہ ہم پہلے ہی نقل کر چکے ہیں کہ وجود ابن سبا فرقہ سبائیہ کے مدعی کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے ان سے تبرا کیا، ان سے جنگ کی اُن کو آگ میں جلوایا اور جلا وطن کر دیا۔

اسی موضوع کو پروفیسر گریارڈ بھی اپنی کتاب میں (مذاہب اور اسلامی فرقوں کی تقسیم کے ضمن میں فرقہ شیعہ کی تعریف کے بعد جو حضرت علیؑ اور اُنکے فرزندوں کے پیرو اور ہوا خواہ ہیں) عبداللہ ابن سبا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس طرح لکھتا ہے۔

"حضرت علیؑ کے زمانۂ حیات میں ایک شخص موسوم بہ عبداللہ ابن سبا نے جو ابتداءً یہودی تھا داماد پیغمبر حضرت علی علیہ السلام کی نسبت الوہیت کا دعوی کیا لیکن یہ عقائد حضرت علیؑ اور آپکے فرزندوں یہاں تک کہ خالص شیعوں کی طرف سے جو اس زمانے میں تھے جلد از جلد باطل اور مردود قرار پا گئے۔ (کتاب ساز مانہائے تمدن امپراطوری اسلام، مؤلفہ پروفیسر اشپلا میں گویانو فرانسیسی ترجمہ فارسی از نیہ فخر الدین

طباطبائی ص۳۰۵ مطبوعۂ طہران)

بہر صورت اگر کوئی ابن سبا معروف عمل تھا تو غلات میں سے تھا اور فرقۂ شیعہ سے کوئی رابطہ نہیں رکھتا جیسا کہ کتاب " اسلام در جعبت " میں اُن غالیوں کی تقسیم کے ضمن میں جو شیعوں کی طرف منسوب کیئے جاتے ہیں لکھا ہو کہ

" غلاۃ چند فرقوں میں تقسیم ہوتے ہیں - اُن میں سے پہلا فرقہ جو درحقیقت سارے غالی فرقوں کا سرچشمہ ہے " سبائیہ " کے نام سے مشہور ہے یہ ابن سبا کے اصحاب تھے جو اہل حمیر سے تھا " (کتاب اسلام در جعت مؤلفۂ عبد الوہاب فرید مطبوعۂ طہران ص۱۳)

ابن خلدون اپنے مقدمے میں اُن لوگوں کے نام جو ائمہ کے حق میں غلو کرتے تھے اور حضرت علیؑ اور ائمہ کی الوہیت کے معتقد تھے اور حضرت نے اُن لوگوں کو آگ میں جلوا دیا تھا عنوان " غلات " کے تحت گنواتا ہے لیکن کسی عبد اللہ ابن سبا کا نام جو ہماری بے سر و پا داستان کا ہیرو ہے نہیں لیتا اور " فقط " لکھ دیتا ہے

" شیعوں کے ایک گروہ کو بھی غلات کہتے ہیں جو عقل و ایمان کی حد سے گزر گئے اور اس طرح سے اُن اماموں کی الوہیت کا اعتقاد رکھتے ہیں - حضرت علیؑ نے ان لوگوں کو جو آپ کے بارے میں ایسے معتقدات رکھتے تھے آگ میں جلوا دیا " (مقدمہ ابن خلدون مؤلفۂ عبد الرحمن ابن خلدون متولد ۷۳۲ھ و متوفی ۸۰۸ھ جلد اول ترجمہ فارسی بقلم محمد پروین گنابادی ص۳۹۱ مطبوعۂ طہران ۱۳۳۶ شمسی)

اس کتاب کا مترجم "توضیحات" کے ضمن میں کتاب "الفرق بین الفرق" و "ملل ونحل" و "عقد الفرید" سے نقل کرتے ہوئے ابن سبا کو اسی گروہ میں شمار کرتا ہے اور لکھتا ہے کہ :۔

"علیؑ ابن ابی طالبؑ نے ان میں سے کچھ لوگوں کو آگ میں جلادیا اور ایک جماعت کو شہر بدر کردیا اور منجملہ ان کے ابن سبا کو ساباط کی طرف جلاوطن کردیا" (ترجمہ فارسی مقدمہ ابن خلدون قسمت آخر)

اس مقصد کے سلسلے میں کہ سبائیہ بفرض وجود غلات میں سے تھے اور فرقہ شیعہ سے کسی طرح کا ربط نہیں رکھتے مندرجۂ ذیل کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے "مع الشیعۃ الامامیہ" مؤلفہ شیخ محمد جواد مغنیہ رئیس المحکمۃ الشرعیۃ الجعفریۃ العلیا فی بیروت طبع دوم صفحہ ۴۹ "عقیدۃ الشیعۃ الامامیہ" مؤلفہ سید ہاشم معروف مطبوعہ بیروت صفحہ ۲۱۶ و "مقالات الاسلامیین" مؤلفہ ابو الحسن الاشعری طبع اول صفحہ ۵ و "تاریخ الشیعہ" مؤلفہ ڈاکٹر حسین علی محفوظ صفحہ ۳۹ و ۴۰)

وہ مطلب کہ جس کا تذکرہ اس محل پر ضروری معلوم ہوتا ہے یہ ہے کہ علمائے شیعہ علاوہ غلات کو ترک کرنے کے چاہے وہ ابن سبا ہو یا کوئی اور شخص اپنی تمام متعلقہ کتابوں میں ان کو نجس اور دین سے خارج ثابت کرتے ہیں مثلاً شیخ مفید "محمد ابن نعمان متولد ۳۳۶ھ متوفی ۴۱۳ھ جو بزرگ ترین علمائے شیعہ میں سے ہیں اپنی بیش بہا کتاب میں عنوان "فی الغلو ....." کے تحت لکھتے ہیں کہ

"غلات ان اسلام کا سہارا لینے والوں میں سے ہیں جنہوں نے امیر المومنینؑ اور ائمہ اطہارؑ کو الوہیت اور نبوت سے نسبت دی

اور فضائل دین و دنیا میں آں حضرات کی توصیف اس طریقے سے کی کہ حد سے تجاوز کر گئے ہیں ائمہ علیہم السلام نے ان کے کفر اور اسلام سے خارج ہونیکا حکم صادر فرمایا" (کتاب شرح عقائد الصدوق او تصحیح الاعتقاد" مؤلفہ شیخ مفیدؒ طبع دوم تبریز ۱۳۷۱ھ باہتمام وتتمہ حاجی میرزا عباس قلی و اعظ چرندابی ص۶۳)

اور غلاۃ کے کفر وارتداد کے سلسلہ میں ان کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے "کتاب مصباح الفقیہ (کتاب الطہارت) مؤلفہ حاجی آقا رضا فقیہ ہمدانی مطبوعہ طہران ص۵۶۶ ۔ وکتاب العروۃ الوثقیٰ مؤلفہ سید محمد کاظم یزدی مطبوعہ طہران کتابفروشی، اسلامیہ محشیٰ بحواشی اعاظم واکابر علمائے شیعہ ص ۔ مستمسک العروۃ" مؤلفہ آقا سید محسن حکیم طباطبائی جلد اول طبع دوم (نجف اشرف) ص۳۴۳) اور تمام کتب معتبرہ فقہی شیعہ مبحث نجاسات

دوسرا مطلب یہ ہے کہ دینی پیشواؤں اور ائمہ کے بارے میں غلو صرف اُن چند جہال ہی سے مخصوص نہیں ہے جن کو شیعہ فرقے سے نسبت دیتے ہیں بلکہ اہلسنت نے بھی سنی فرمانرواؤں اور بزرگوں کے حق میں کثرت سے غلو کئے ہیں، جو اُن جاہلوں کے غلو سے کم نہیں ہیں جن کو بظاہر شیعوں سے منسوب کیا گیا ہے

علامہ امینی تبریزی کتاب الغدیر" جلد ۱۱ میں صفحہ ۱۰۳ سے ۳۰۹ تک عنوان "الغلو الفاحش او قصص خرافۃ" کے تحت میں اہلسنت کی اُن غلو آمیز داستانوں میں سے جو معاویہ کے لیے اور اس کے بارے میں وضع کی گئی ہیں، اُن میں سے

بہت سے معتبر ماخذوں اور کتابوں سے تئیں حکایتیں نقل کرتے ہیں جنکی طرف رجوع کرنے سے بخوبی روشن ہوجاتا ہے کہ مسئلہ غلو ان افراد کے مخصوص مسائل میں سے نہیں ہے جن کو شیعہ کا لقب دیا جاتا ہے۔ ہم بلحاظ اختصار یہاں ان مطالب کے نقل کرنے سے چشم پوشی کرتے ہیں۔

فہرست مضامین